# مذہب، ایک مکالمہ

مصنف

آرتھر شوفنہار

1851

مترجم عبدالستار حجّہ

ڈیمو فیلس۔ میرے پیارے دوست، یہ بات ہمارے ہی درمیان ہے، مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ بعض اوقات جس طریقے سے تم فلسفے میں اپنی فطری صلاحیت کا اظہار کرتے ہو؛ تم مذہب کو استہزائی تبصروں کا موضوع بناتے ہو، بلکہ کھلم کھلا تمسخر اڑاتے ہو۔ ہر شخص اپنے مذہب کو مقدس سمجھتا ہے، اور اس لیے تمہیں اس کی عزت کرنی چاہئیے۔

فیلالیتھیس۔ اس طرح نہیں ہو سکتا! میں سمجھتا ہوں کہ اگر دوسرے لوگ ناسمجھ اور سادہ لوح ہیں، اس لیے میں دروغ گوئیوں کے پلندے کی عزت کروں۔ میں سچ کی ہر جگہ عزت کرتا ہوں، اور اس لیے اس چیز کی عزت نہیں کر سکتا جو سچ کے متضاد ہے۔ میرا نعرہ ہے کہ "سچ کو پھلنا پھولنا چاہئیے بیشک دنیا تباہ ہو جائے،" جیسے وکلا یہ کہتے ہیں کہ "سچ کو پھلنا پھولنا چاہئیے، بیشک دنیا تباہ ہوجائے۔" ہر پیشے کے لیے اس کے مطابق ہی راہنمائی ہونی چاہئیے۔

ڈیموفیلس۔ پھر میں تجویز کرتا ہوں کہ ڈاکٹروں کو بھی کہہ دینا چاہئیے کہ "سچ کو پھلنا پھولنا چاہئیے بیشک دنیا تباہ ہو جائے،" ——اس میں تو پھر زیادہ مشکل پیش نہیں آئے گی۔

فیلالیتھس۔ خدا نہ کرے! تم کو ہر چیز میں عام فہم (common sense)کا استعمال کرنا چاہئیے۔

ڈیموفیلس۔ بالکل ایسا ہی ہے؛ پھر اسی لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ مذہب میں بھی عام فہم کا استعمال کرو۔ میں تم سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہر شخص کو لوگوں کی خواہشات کا ان کی سمجھداری کے پیمانے سے احترام کرنا چاہئیے۔ جہاں آپ کے پاس ایسے لوگوں کا ہجوم ہو جن کے پاس خام جذباتی رد عمل اور بے ڈھنگی ذہانت ہوگی، جو ان کی مکروہ خواہشات اور اطاعت گزاری میں ڈوبی ہوئی ہوگی، صرف مذہب ہی انہیں ایسے ذرائع فراہم کرتا ہے، جن سے وہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کرنے کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے محسوس بھی کر سکتے ہیں۔ ایک عام

آدمی اس میں بنیادی طور پر اتنی ہی دلچسپی لیتا ہے، جس سے اس کی طبعی ضروریات اور ارمان پورے ہو سکیں، اور اس کے علاوہ، یہ اسے تھوڑی سی خوشی اور وقت گزاری کا موقع فراہم کر دیتا ہے۔ مذاہب کے بانی اور فلسفی دنیا میں اس لیے آئے کہ وہ اسے ابہام سے اوپر اٹھائیں اور ان کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد بتا سکیں؛ فلسفیوں نے ان میں سے چند کو، مذہب کے بانیوں نے ان میں سے زیادہ کو بلکہ انسانیت کو مجموعی طور آزاد کروایا، جیسے آپ کے دوست افلاطون نے کہا ہے، کہ "مجمع فلسفی نہیں ہو سکتا،" اور تمھیں اسے نہیں بھولنا چاہئیے۔ مذہب عوام الناس کی الہیات metaphysics ہے؛ ہر طریقے سے انہیں یہ رکھنے دیں: اس لیے اسے بیرونی عزت کمانے دیں، اس کو بے عزت کرنے کا مطلب اس کو ختم کرنا ہے۔ ان کے پاس یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ان کے پاس مقبول شاعری، اور کہاوتوں کی مقبول حکمت ہے، اس لیے ان کو مقبول الہیات بھی رکھنے دیں: کیونکہ انسانیت قطعی طور پر زندگی کی تشریح چاہتی ہے؛ اور یہ پھر مقبول ادراک کے لیے موزوں ہے۔ نتیجتاً اس کی یہ تشریح سچ کی ہمیشہ علامتی کاروائی ہے: اور ایسے کہا جا سکتا ہے، جیسے حرکت کا قانون ہوتا ہے، کہ عملی زندگی اور اس کے جذبات پر اثرات، جیسے تکالیف اور موت میں آسودگی اور تسلی ملتی ہے، اگر یہ ہمارے پاس ہے تو شاید سچ کی اتنی ہی خدمت کرتی ہے جتنی خود سچائی حاصل کر سکتی ہے،۔ اس کی بے ترتیبی، مضحکہ خیزی، نامعقول شکل پر ناراض نہ ہوں؛ کیونکہ تمہارے جیسی تعلیم اور علم کے باوصف، تمہیں ان چکروں کا اندازہ نہیں، جس سے لوگوں کو اپنی اجڈ حالت میں گہری سچائیوں کے علم کا حصول کرنا پڑتا ہے۔ مختلف مذاہب میں سچ کی مختلف شکلیں ہیں، جس کو اگر اسی طریقے سے لیا جائے تو یہ ان کی سمجھ بوجھ سے اوپر ہوگا، لیکن جس کو عوام اشتیاق سے قبول اور محسوس کرتے ہیں؛ اور سچ ان شکلوں سے ناقابل تقسیم بن جاتا ہے۔ اس لیے میرے پیارے دوست،

اگر میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں گڑ بڑ نہ کریں، کہ مذہب کی ان شکلوں کا مذاق اُڑانا سطحی اور ناانصافی ہے۔

فیلالیتھیس۔ کیا اس طرح کا مطالبہ کرنا بذات خود ہر لحاظ سے سطحی اور ناانصافی نہیں ہے، کیا اس ایک کے علاوہ کوئی دوسرا الہیات کا نظام نہیں ہے، کہ اسے ہی عوام الناس کی ضروریات اور سمجھ داری کے لیے تراش خراش کر ان کے قابل بنایا جائے؟ کہ اس کا ہدایت نامہdoctrine ہی انسانی قیاسی نظریے اور تمام تصورات کے معیار کی حد ہوگی، تو کیا ان چند افراد کی الہیات، جو تمہارے کہنے کے مطابق آزاد ہو چکے ہیں، کو لازماً صرف عوام الناس کی الہیات کی تصدیق، مضبوطی، اور تشریح کرنے کے لیے وقف کر دینا چاہئیے؟ تو کیا انسانی عقل کی سب سے ارفع طاقت کو استعمال کیے بغیر اور غیر ترقی یافتہ ہی رہنے دیا جائے، بلکہ شروع میں ہی اس کا گلا دبا دینا چاہئیے، تاکہ ان کی کاروائیاں مقبول الہیات کا راستہ نہ روک سکیں؟ کیا مذہب کا یہی وہ واحد نصب العین نہیں ہے جس کے لیے یہ قائم کیا گیا ہے؟ کیا یہ اس سے کافی زیادہ نہیں ہے جس میں برداشت اور نرم و نازک تحمل کی تبلیغ کی جاتی ہے تو پھر عدم برداشت اور خود ظلم کیا ہے؟ بدعتی ٹریبونلز، مذہبی عدالتیں، مذہبی جنگیں، صلیبی جنگیں، سقراط کے زہر کے پیالے، برونو اور وینینی کی شعلوں میں موت کے بارے بھی سوچیں! کیا آج یہ تمام ماضی کی عام چیزیں لگتی ہیں؟ سچ کی تلاش میں اصلی فلسفیانہ کوشش، پرخلوص تلاش، عالی دماغ آدمیوں کی عالی دماغ خواہشوں کا کیسے مکمل طور پر راستہ روکنے دیا جائے، بجائے اس کے کہ روایتی الہیات کے نظام کو جسے ریاست کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے، جس کے اصولوں کو ہر بچے کے ذہن میں اسکے ابتدائی سالوں میں، اتنے جوش اور اتنی گہرائی، اور اتنی مضبوطی سے گھسیڑا جاتا ہے، سوائے کسی ربڑ کے بنے معجزاتی ذہن کے، وہ ہمیشہ ان مٹ نشان رہیں گے۔ اس طریقے سے کسی بھی صحت مند دلیل کے لیے بنیاد مکمل طور پر ہمیشہ کے لیے بگاڑ دی جاتی ہے؛ اس لیے کہا

جاتا ہے کہ اصلی خیال اور غیر متعصب قوت فیصلہ کے لیے گنجائش، جو خود اپنے اندر ہی کافی کمزور ہوتی ہے، ان موضوعات کے متعلق بھی جن پر ان کا اطلاق کیا جا سکتا ہو، وہ ہمیشہ کے لیے اپاہج اور تباہ ہو جاتے ہیں۔

ڈیموفیلس۔ جس کا مطلب ہے، جیسے میں سمجھا ہوں، کہ لوگ اس یقین تک پہنچ گئے ہیں، جنہیں وہ اس لیے نہیں چھوڑیں گے تاکہ اس کی بجائے تمھارے خیالات اپنا لیں۔

فیلالیتھیس۔ آہ! اگر اس یقین کی بنیاد صرف بصیرت پر ہوتی۔ پھر تو برداشت کرنے کے لیے دلائل لائے جا سکتے تھے، اور برابر کے ہتھیاروں سے لڑائی لڑی جا سکتی تھی۔ لیکن مذہب یقیناً دل کو لبھاتے ہیں، لیکن ان کا یقین دلیل کا نتیجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس طرح کا عقیدہ ہوتا ہے، جیسے الہام مطالبہ کرتا ہے۔ اور کیونکہ کسی چیز پر یقین کرنے کی صلاحیت بچپن میں سب سے طاقتور ہوتی ہے، اس لیے بچپن میں خصوصی توجہ سے اس کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ اس کے لیے عقیدے کا ہدایت نامہ ہی اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے کافی ہے بجائے اس کے کہ دھمکیوں اور معجزات کے بیانات کا سہارا لیا جائے، اگرچہ بچپن کے بھی بالکل شروع وقت میں چند بنیادی خیالات اور ہدایت ناموں کی غیر معمولی تقدیس سے نمود و نمائش کی جاتی ہے، اور انتہائی گرم جوشی سے ایسی فضا بنائی جاتی ہے جو کسی بھی اور چیز میں کبھی اس طرح دکھائی نہیں دیتی؛ اگر، اسکے ساتھ ہی ان کے بارے کسی بھی ممکنہ شک کو مکمل طور پر پر ختم کر دیا جاتا ہے، یا ان کو یہ دکھانے کے لیے بس اتنا ہی چھیڑا جاتا ہے کہ شک کرنا ہی دائمی عذاب کی طرف پہلا قدم ہے، اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا تاثر اتنا گہرا ہوگا، کہ ایک قانون کے طور پر تقریباً ہر معاملے میں، ان کے بارے شک کرنا تقریباً اتنا ہی ناممکن ہوگا، جیسے کسی کا اپنے وجود کے بارے شک کرنا ناممکن ہے۔ مشکل سے ہی دس ہزار میں سے ایک بندے کے ذہن میں

اتنی طاقت ہوگی جو اپنے آپ سے سنجیدگی اور پُرجوش انداز میں پوچھے گا-- کیا یہ سچ ہے؟ اس طرح کہنا کہ یہ کام صرف مضبوط ذہن ہی کر سکتے ہیں، "**مضبوط کردار کے مالک**،" ہی اس کے لیے موزوں بیان ہے بجائے اس کے کہ کُچھ اور فرض کیا جائے۔ لیکن ایک عام ذہن کے لیے، کوئی چیز اتنی احمقانہ یا باغیانہ نہیں ہو سکتی بلکہ اگر اس طریقے سے دل پر ثبت کیا جائے، کہ مضبوط ترین عقیدہ اس میں جڑ پکڑ لے گا۔ مثال کے طور پر اگر کسی بد عقیدہ اور کافر کو قتل کرنے سے اس کی روح کے مستقبل میں نجات کے لیے ضروری ہے تو تقریباً ہر انسان ایسا کرنے کو اپنی زندگی کا سب سے اہم واقعہ بنا لے گا، اور مرتے وقت وہ اس کو یاد کرکے اس سے تسلی اور طاقت حاصل کرے گا کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے۔ حقیقی طور پر ہر ہسپانوی پرانے وقتوں میں کافر (مسلمان اور یہودی) کے جلانے کو اپنے سب کاموں میں سے بہت ہی نیک اور خدا کا سب سے پسندیدہ عمل دیکھتے تھے۔ بالکل ویسے ہی آپ کو ٹھگوں (ہندوستان میں ایک مذہبی فرقہ، جسے انگریزوں نے کُچھ ہی عرصہ قبل دبا دیا ہے، جنہوں نے ان میں سے کئی کو پھانسیاں دے دیں تھیں) کا طریقہ کار ملے گا، جن میں وہ اپنی مذہبی سمجھ بوجھ اور مقدس دیوی کالی کے لیے عقیدت ظاہر کرتے تھے؛ وہ اپنے دوستوں اور مسافر ساتھیوں کو قتل کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتے تھے تاکہ ان کے ساز و سامان کو حاصل کر سکیں، اور اپنے یقین کامل کے ساتھ کہ وہ ایک قابل تعریف کام کر رہے ہیں، جن سے ان کو ابدی فلاح ملے گی۔ مذہبی اصول کی طاقت، جب اسے بچپن میں ہی ذہن میں پیوست کر دیا جائے، یہ ذہن، رحم کو ناکارہ کرنے کے اتنا کارآمد ہے، کہ آخر کار تمام انسانی جذبات کو ناکارہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ عقائد کو کیسے بروقت ٹھونسا جاتا ہے تو انگریزوں کو دیکھیں۔ یہاں پر ہمارے سامنے ایک ایسی قوم ہے جس پر قدرت ہر طرح سے مہربان ہے، جو بصیرت، ذہانت، قوت فیصلہ، مضبوط کردار میں دوسری سب قوموں سے زیادہ نوازی گئی ہے؛ ان کو دیکھیں، ان

کی احمقانہ کلیسائی توہم پرستی، جو ان میں دوسری سب خوبیوں کے باوصف ایک جامد خیال یا خبط کی طرح نظر آتی ہے، کی وجہ سے ان کی دوسروں سے زیادہ توہین اور تضحیک کی جاتی ہے۔ اس کے لیے ان کو اپنے ان حالات جو تعلیم کے پادریوں کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے ہیں، کا شکر گزار ہونا پڑے گا، جن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ عقیدے کے تمام ارکان کو بہت چھوٹی عمر میں ہی اس طریقے سے ذہن میں پیوست کیا جائے جن سے ان کے دماغ اپاہج ہو جائیں؛ اس طریقے سے وہ اپنی باری پر متشددانہ مخبوط الحواسی کا ساری زندگی پرچار کرتے رہتے ہیں، جو بظاہر اپنے آپ میں بہت ہی معقول اور سمجھ دار نظر آنے والے لوگ ہیں، وہ خود اپنی ہی توہین کرتے رہتے ہیں، تاکہ ان کے بارے کسی اور کے پلے کُچھ نہ پڑے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ بچپن کی اتنی نوخیز عمر میں اس طرح کے شاہکار کو ان کے ذہنوں راسخ کیا جانا اتنا ہی ضروری ہے، تو مذہبی تبلیغی نظام جلد ہی انسانی گستاخی، نخوت، بدتمیزی کی معراج پر نہ صرف نظر آئے گا، بلکہ یہ مکمل احمقانہ بھی لگے گا، اگر اس نے اپنے آپ کو نوعمر قوموں تک محدود نہ رکھا جیسے جنوبی افریقہ، وسطی افریقہ، جنوبی سمندری جزائر وغیرہ ہیں۔ اس طرح کی قوموں میں یہ کامیاب ہے؛ لیکن ہندوستان میں برہمن عیسائی مبلغوں کے مباحث کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا صرف کندھے ہی اچکا کر اظہار کرتے ہیں۔ اور عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں مسیح مبلغوں کی بہت ہی برتر سہولتوں کے باوجود عیسائی بنانے کی کوششیں اصولی طور پر ناکامی کا شکار ہیں۔ ایشیاٹک جرنل 1826 کی قابل بھروسہ دستاویز کی جلد xxi کہتی ہے کہ کہ اتنے سالوں کی تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود پورے ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ تین سو تبدیلی مذہب والے زندہ لوگ مل سکے، جہاں صرف انگریزی مقبوضات میں آبادی پندرہ کروڑ پچاس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے؛ اور اسی وقت یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ تبدیلی مذہب والے عیسائی، انتہائی غیر اخلاقی کردار کے مالک لوگ ہیں۔ اتنے کروڑوں میں سے صرف تین سو حرام خور اور رشوت خور

نفوس! اس بات کی بھی کوئی شہادت نہیں ملی کہ اس کے بعد بھی ہندوستان میں عیسائیت کے حالات میں کوئی بہتری آئی ہے، اس حقیقت کے باوجود کہ عیسائی تبلیغی، اس معاہدے، جس کے تحت سکولوں میں صرف سیکولر انگریزی تعلیم دی جائے گی، کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کر رہے ہیں، کہ جس طرح چاہئیں بچوں کے ذہنوں پر کام کر سکیں، تاکہ عیسائیت کو کسی طرح سمگل کر سکیں؛ جس کے خلاف ہندو بہت ہی شدت سے اپنے عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں۔ جیسے میں نے کہا کہ آدمی کی بلوغت کی بجائے بچپن ہی عقیدے کے بیج بونے کا وقت ہوتا ہے؛ خصوصاً وہاں جہاں عقیدے نے شروع میں جڑیں پکڑ لی ہیں۔ ایک اصول کے طور حاصل کیا ہوا یقین، جس کا بالغ افراد بہروپ بھرتے ہیں، کا مطلب صرف کسی ذاتی مفاد کا حصول ہوتا ہے۔ اور عام خیال یہی ہے کہ اس طرح کے واقعات میں یہ ضروری ہے کہ جس میں کوئی آدمی جب اپنا مذہب سِن بلوغت میں تبدیل کرتا ہے، تو اسے دنیا کے ہر حصے میں زیادہ تر لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ مذہب کو سمجھ بوجھ کر قبول نہیں کرتے، بلکہ ایسا عقیدہ،اس سے پہلے کہ ان کو کسی آزمائش میں ڈالا جا سکتا، بچپن میں ہی ان پر لاگو کر دیا گیا تھا۔ اور وہ اپنے مذہب بارے اپنے خیال میں اس طرح بھی واضح ہیں، جس طریقے سے نہ صرف عوام الناس، جو سادہ لوحی میں اندھے ہوتے ہیں، بلکہ ہر مذہب کا مذہبی پیشوا، جنہوں نے ایماندارانہ اور عقیدت سے اس کے ماخذوں، بنیادوں، قوانین، اور متنازع نکات کا مطالعہ کیا ہوتا ہے، وہ اپنے مخصوص ملک کے مذہب سے ایک جسم کے طور پر چمٹے رہتے ہیں؛ نتیجتاً کسی ایک مذہب یا عقیدے کے راہب کا کسی دوسرے مذہب میں جانا، دنیا میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ مثلاً کیتھولک راہب کو اپنے کلیسا کے تمام قوانین کے سچے ہونے پر مکمل یقین ہے، اسی طرح پروٹیسٹوں کا اپنے عقیدے کی سچائی پر یقین ہے، اور دونوں اپنے عقیدے کے اصولوں کا ایک ہی طرح کی شدت سے دفاع کرتے ہیں۔

لیکن پھر بھی ان کے عقیدے کا ہر ایک کا مخصوص ملک تعین کرتا ہے؛ جنوبی جرمنی کے کلیسا کے لیے کیتھولک عقیدے کی سچائی بڑی واضح ہے، اسی طرح شمالی جرمنی والوں کے لیے پروٹیسٹنٹ سچے ہیں۔ اگر پھر ان عقائد کی بنیاد حقیقی دلائل پر ہے تو، پھر ایسے دلائل کی بنیاد، پودوں کی طرح کوئی صرف یہاں اور کوئی صرف وہاں، موسم اور پھلنے پھولنے پر ہوگی۔ ان لوگوں کے اعتقادات جو مقامی طور ہی یقین رکھتے ہیں، ان کو بھروسے پر قائم رکھا جاتا ہے اور دنیا میں ہر جگہ عوام ان پر ہی ایمان رکھتے ہیں۔

ڈیموفیلس۔ اچھا، ابھی کوئی نقصان نہیں ہوا، اور یہ حقیقی فرق بھی نہیں ڈالتا۔ حقیقتاً پروٹیسٹنٹ مت شمال کے لیے اور کیتھولک مت جنوب کے لیے زیادہ موزوں ہے۔

فیلالیتھس۔ ایسا ہی لگتا ہے۔ لیکن میں ایک ارفع نقطہ نظر لیتا ہوں، اور اپنے سامنے ایک بڑا مقصد، بنی نوع انسان کے اندر سچ کے علم کی افزائش کا رکھتا ہوں۔ اور اس نقطہ نظر کے مطابق یہ خوفناک چیز ہے کہ جہاں کہیں انسان پیدا ہوتا ہے، مخصوص اقوال اس کے بچپن کے اوائل میں ہی اس کے اندر نقش کر دیئے جاتے ہیں اور اسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اپنی دائمی نجات کی ضبطگی کی سزا کے خوف سے کبھی ان کے بارے شکوک اس کے سامنے نہیں آئینگے، میرا مطلب ہے جو اقوال ہمارے دوسرے تمام علوم کی بنیاد پر اثرانداز ہوتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ان کا تعین کر دیتے ہیں، اور اگر، وہ جھوٹ ہے اور وہ نقطہ نظر جہاں سے ہمارا علم شروع ہوتا ہے، اس کی ہمیشہ کے لیے شکل بگاڑ دینگے: مزید براں ان اصولوں سے منسلک ذیلی قواعد ہر نکتے پر ہمارے شعوری کارناموں کے تمام نظام کو متاثر کرتے ہیں، اور ان سے تمام انسانی علم مکمل طور پر ملاوٹ زدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی شہادت ہر قسم کے ادب میں مل جاتی ہے؛ جس میں سب سے نمایاں ازمنہ وسطیٰ کا ادب ہے، لیکن بڑی حد تک پندرہویں

اور سولہویں صدی عیسوی کا ادب ہے۔ حتیٰ کہ اگر آپ ان واقعات کے ابتدائی ذہنوں کو دیکھیں تو وہ اس طرح کی لغو بنیادی حیثیتوں میں کتنے اپاہج لگتے ہیں؛ اس سے بھی زیادہ فطرت کی سچی ترتیب اور کارکردگی، وہ جیسی بھی تھی، کی مکمل بصیرت رکھنے میں کیسے بے حس ہو چکے ہیں۔ عیسائیت کے تمام دور میں دینیات، ان کے تمام دانشورانہ اور خصوصاً فلسفیانہ کوششوں کے سامنے ایک پہاڑ کی طرح راستہ روکے کھڑی تھی، جس نے تمام تر ترقی کو پا بہ زنجیر اور اس کا گلا گھونٹ دیا۔ ان ادوار میں سائنسی اشخاص کے لیے، خدا، شیطان، فرشتوں، بھوت پریتوں نے تمام نظام فطرت پر گہرا پردہ ڈال دیا، کسی بھی چیز کی آخر تک تحقیق نہ کی گئی، کسی بھی چیز کا کبھی بھی گہرائی تک معائنہ نہ کیا گیا، کوئی بھی چیز جو بہت ہی ظاہری وجوہات سے باہر واقع ہو گئی، ان کو فوراً ان شخصیات سے منسوب کر دیا گیا۔ جیسے پومپوناٹس نے خود اس وقت کہا تھا جب یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ "اس کو فوراً خدا، فرشتوں یا بھوت پریتوں سے منسوب کر کے ان کی تشریح کر دی گئی، اور یہ فلسفیوں کے لیے کسی بھی لحاظ سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔" یقیناً یہاں پومپوناٹس کے اس بیان میں طنز کا شک پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کے دوسرے معلوم کاموں میں دروغ گوئی سب کو معلوم ہے؛ لیکن پھر بھی وہ ایک عام طریقے سے اس زمانے کی سوچ کی عکاسی کر رہا ہے۔ اور اگر، اس کے دوسری جانب، اگر کسی کے پاس ایک لچکدار ذہن کی نایاب صلاحیت موجود ہوتی، وہ اکیلا ہی سارے بندھن توڑ دیتا، اس کی تحریریں اور وہ خود بھی ان کے ساتھ جلا دیا جاتا؛ جیسے برونو اور ویینی کے ساتھ ہوا۔ ایک عام ذہن کو الہیات میں وقت سے پہلے تیاری کروا کے بہت ہی نمایاں انداز میں کیسے مکمل طور مفلوج کر کے، اور پھر اس کو بہت ہی مضحکہ خیز شکل میں اس وقت دیکھا جا سکتا ہے، جب کوئی شخص ایک نامانوس نسل کے ہدایت نامے پر تنقید کرنے کا کام ہاتھ میں لیتا ہے۔ ایک عام آدمی کی کوششیں عام طور پر اس وقت پتہ چلتی ہیں جب ان بے معنی اعتقادات کی بے معنویت کو احتیاط سے کی گئی نمائش کو

اس کے اپنے عقیدے کے ساتھ دیکھا جاتا ہے۔ وہ یہ دکھانے کے لیے کافی تکلیف میں ہوتا ہے، کہ نہ صرف وہ کُچھ کہتا نہیں، بلکہ وہ وہی چیز یقیناً کہنا بھی نہیں چاہتا؛ اور اس کے ساتھ وہ اپنی سادگی میں سوچتا ہے، کہ اس نے نامانوس عقائد کی دروغ گوئی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حقیقتاً وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچتا ہوگا کہ وہ یہ سوال پوچھے کہ ان دو میں سے، ایک، اس کے اپنے ایمان کے ارکان جن کو وہ نظریاتی طور سچ دیکھتا ہے یا دوئم، خاص اصولوں میں سے درست کون سا ہے؟

ڈیموفیلس۔ تو یہ ہے تمھارا ارفع نقطہ نظر؟ میں پھر بھی تمہیں یہ یقین دلاتا ہوں کہ اس سے بھی ارفع نقطہ نظر ہے۔ "پہلے زندہ رہو پھر فلسفیانہ باتیں کرو"، والا اصول اس سے زیادہ جامع اہمیت رکھتا ہے جتنا یہ پہلی نظر میں دکھائی دیتا ہے۔ کرنے والی پہلی چیزیہ ہے کہ عوام الناس کی خام اور شیطانی خواہشات کو قابو میں لایا جائے، تاکہ ان کو ناانصافی کی انتہا تک پہنچانے، اور مظالم، تشدد اور شرمناک حرکات کرنے سے پہلے روکا جائے۔ اگر تم اس وقت تک انتظار کر سکتے ہو کہ جب وہ سچ کو پہچان اور اشتیاق سے قبول نہیں کر لیتے، بیشک تمہیں بہت دیر ہو جائے گی؛ اور فرض کیا جاتا ہے کہ سچائی کی تلاش کر لی گئی ہے، ان کی سمجھنے کی طاقت سے بڑھ جائے گی۔ کسی بھی طرح اس کا علامتی اعزاز، ایک تمثیلی کہانی یا حکایت ہی سب کچھ ہوگی جو ان کے کسی کام آ سکے گی۔ جیسے کانٹ نے کہا ہے، اچھائی اور نیکی کا لازماً ایک عوامی معیار بھی ہونا چاہئیے؛ اور اس کو ہمیشہ سروں کے اوپر پھڑ پھڑانا چاہئیے۔ یہ ایک لاتعلقی کا معاملہ ہے، جس پر رسومانہ شکلیں کندہ کی ہوئی ہیں، جب تک وہ وہی دکھا رہی ہیں جو ان کا مدعا ہے۔ سچ کی اس طرح کی استعاراتی شکلیں ہمیشہ سے اور ہر جگہ پائی جاتی ہیں، تاکہ مجموعی طور پر انسانیت کے لیے کام دینے والے سچ کا قائم مقام مل سکے، جو کہ وہ کبھی بھی حاصل نہیں کر سکتے، —— فلسفے

کے لیے جو اس کا احاطہ نہیں کر سکتا؛ اس کے لیے اکیلی یہ حقیقت ہی کافی ہے، جو ہر روز اپنی شکل بدلتی رہتی ہے، اور اس کی ایسی کوئی شکل نہیں ملی جس کی عمومی قبولیت ہو۔ اس لیے میرے اچھے دوست فیلالیتھس، اس کے عملی مقاصد ہر لحاظ سے نظریاتی سے بہت اعلیٰ ہیں۔

فیلالیتھیس۔ تم جو کہہ رہے ہو وہ لوکرس کے ٹیماؤس، فیثا غورث، کے اس قدیم مشورے کے عین مطابق ہے کہ "ذہن کو دروغ گوئی کے ساتھ بند کرلو، اگر آپ اسے سچ کی رفتار سے نہیں چلا سکتے۔" مجھے پورا شک ہے کہ تمھارا منصوبہ بھی کُچھ ایسا ہی ہے، جس پر آجکل عمل کیا رہا ہے، اور تم مجھ پر بھی وہی تھوپنا چاہتے ہو کہ

"وقت نہیں بچا جب ہم خاموشی سے کھانا کھا سکیں۔"
آپ ہمیں یہ مشورہ دے رہے ہیں، بروقت احتیاطی ترکیبیں کرلیں ، تاکہ عوام الناس کے غیر مطمئن غصے کی لہریں ہمیں میز پر تنگ نہ کر سکیں۔ لیکن یہ تمام نقطہ نظر اتنا ہی جھوٹا ہے جتنا یہ آجکل مقبول اور قابل تعریف ہے؛ اس لیے میں اس کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے جلدی کرتا ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ریاست، انصاف، قانون کو مذہب اور اس کے کٹر عقائد کی مدد کے بغیر قائم نہیں رکھا جا سکتا: اوراگر مقننہ کی قانون سازی پر عمل درآمد کروانا ہے، تو انصاف اور سرکاری نظم کو مذہب کی اضافی امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ غلط ہے بیشک اسے سو دفعہ دہرا لیں۔ اس کے خلاف ایک موثر اور نمایاں شہادت قُدما، خصوصاً یونانیوں نے دی ہے۔ ان کو اس بارے قطعاً کوئی علم نہیں تھا جسے ہم مذہب سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس پڑھنے کے لیے نہ کوئی مقدس کتابیں تھیں، نہ کٹر عقائد تھے اور نہ آگے سب کا ان کو قبول کرنا ضروری تھا، نہ ان کے اصولوں کو بچپن میں حفظ کروایا جاتا تھا۔ مذہب کے پجاری نہ تو اخلاق کا زیادہ پرچار کرتے تھے اور نہ وہ اپنے آپ کو اخلاقیات کے بارے تکلیف دیتے تھے یا لوگ کیا کرتے تھے یا چھوڑ

دیتے تھے، کے بارے کشٹ میں پڑتے تھے۔ یہ وہ بالکل نہیں کرتے تھے۔ پجاریوں کے فرائض، معبد کی رسومات، عبادات، بھجن پڑھنے، قربانیاں، جلوس، گناہ دھونے، اور اسی طرح کے دوسرے کاموں تک محدود تھے، جس کا مقصد افراد کی اخلاقیات کی بہتری کے ساتھ ساتھ اور بھی سب کُچھ بھی تھا۔ جس کو مذہب کہا جاتا تھا، خاص طور پر شہروں میں، وہ ان چیزوں پر مشتمل تھا، جیسے ادھر ادھر بکھرے ہوئے معبدوں کو بڑے قبائل کے کچھ خداؤں کے حوالہ کرنا، جہاں تفویض کردہ عبادت ریاستی معاملے کے طور پر کی جاتی تھی، اور درحقیقت یہ ایک پولیس کا معاملہ بن جاتا تھا۔ سرکاری اہلکاروں کے علاوہ کسی کو بھی اس میں جانے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس پر ایمان لانے کے لیے بھی کچھ نہیں کہا جاتا تھا۔ تمام قدیم زمانے میں کسی بھی مخصوص مذہبی عقیدے پر لازمی ایمان لانے کا ہلکا سا ثبوت نہیں ملا۔ صرف دیوتاؤں کی موجودگی سے اعلانیہ انکار کے معاملے پر یا ان کی کسی بھی طریقے سے توہین پر، ایک قسم کا جرمانہ کیا جاتا تھا، اور وہ بھی ریاست کی توہین کرنے پر، جو ان دیوتاؤں کی خدمت کرتی تھی؛ اس کے علاوہ ہر کوئی آزاد تھا کہ ان کے بارے جو مرضی سوچے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر ان دیوتاؤں کی دعاؤں سے قربانی کرکے کوئی مفاد چاہتا تھا، وہ اپنے خرچ اور اپنے خدشے پر ایسا کرنے میں آزاد تھا؛ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تھا، تو کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا، ریاست کو تو اس سے قطعی کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ رومیوں کے اپنے ہر گھر میں گھریلو دیوتا ہوتے تھے؛ تاہم وہ حقیقت میں ان کے آباء و آجداد کی مقدس شبیہیں ہوتی تھی۔ روح کی جاودانی اور قبر سے آگے والی زندگی کے بارے قُدما کے کوئی پختہ، واضح یا اس کے علاوہ بھی، کٹر عقائد کے جامد خیالات، نہیں تھے، بلکہ بڑے ڈھیلے ڈھالے، تغیر پزیر، غیر مستقل مزاج، اور دِقّت طلب خیالات، ہر کوئی اپنے طور پر رکھتا تھے؛ اور دیوتاؤں کے بارے میں بدلتے ہوئے، انفرادی اور مبہم خیالات ہوتے تھے۔ اس لیے قُدما میں درحقیقت مذہب نہیں تھا جیسے اس لفظ کا ہمارے ہاں تصور ہے۔ کیا

اس وجہ سے ان کے ہاں کوئی افراتفری اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا؟ کیا ان کا معاشرتی امن وامان، بلکہ ان کا کام، ابھی بھی ہمارے لیے بنیاد نہیں بن سکتا ہے؟ کیا وہاں جائداد کو مکمل تحفظ حاصل نہیں تھا، اگرچہ اس کا زیادہ حصہ غلاموں پر ہی مشتمل تھا؟ کیا اس طرح کے حالات ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہے تھے؟ اس لیے میں اسکو شناخت نہیں کر سکتا، یقیناً اس کے عملی مقاصد اور مذہب کی ایسی ضرورت جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے، اور جو آجکل بہت مقبول ہے، کہ یہ قانون سازی کے انتظامات کی ناگزیر بنیاد ہیں، مجھے اس کے خلاف شدید احتجاج کرنا چاہئیے تھا۔ اس لیے اگر تم وہ نقطہ نظر اختیار کرتے ہو، تو سچ کے لیے خالص اور مقدس سعی یہی ہوگی، جسے کم سے کم خیالی پلاؤ، اور مجرمانہ ہی کہا جا سکتا ہے، اس کے انصاف کے احساس میں، اس کے تحکمانہ عقیدے کی اس لیے مذمت کرے، جس نے غاصبانہ انداز میں سچ کے تاج پر قبضہ کر لیا ہے، اور بہروپ اختیار کر کے اپنی حیثیت کو بر قرار رکھا ہوا ہے۔

ڈیموفیلس۔ لیکن مذہب سچ کے خلاف نہیں ہے؛ یہ بذات خود سچ پڑھاتا ہے۔ اور جیسے اس کی سرگرمیاں کمرہ جماعت تک محدود نہیں ہیں، بلکہ پوری دنیا اور انسانیت تک پھیلی ہوئی ہیں، مذہب کو لازمی طور پر اتنے زیادہ اور اتنے متنوع سامعین کی ضروریات اور سمجھ بوجھ کی موافقت میں چلنا پڑتا ہے۔ مذہب کا قطعی فرض ہے کہ وہ سچائی کو عریاں شکل میں ظاہر نہ ہونے دے؛ یا، ایک طبی تشبیہ کا استعمال نہ کرے، اس کو قطعی خالص شکل میں بھی ظاہر نہیں ہونا چاہئیے، بلکہ اس کو ایک فرضی کہانی کا روپ، ایک واسطہ اختیار کرنا چاہئیے، جیسے پہلے ہوتا تھا۔ تم اس سلسلے میں سچ کا خاص کیمیائی مادوں سے مقابلہ کر سکتے ہیں، جو بذات خود تو گیس کی شکل میں ہیں، لیکن جن کو طبی استعمال کے لیے، یا محفوظ رکھنے یا ترسیل کے لیئے، لازمی طور پر کسی مضبوط، ٹھوس مادے کے ساتھ ملانا پڑے گا، ورنہ وہ بخارات بن جائیں گے۔ مثلاً کلورین گیس تمام مقاصد میں

صرف کلورائیڈ بنا کر استعمال کی جاتی ہے۔ لیکن اگر سچ کو، خالص، مجرد، اور تمام فرضی آمیزوں سے الگ کریں گے تو اس کا حصول، حتیٰ کہ فلسفیوں کے لئے بھی ہمیشہ ناقابل حصول رہے گا، اسکا فلورین کے ساتھ بھی تقابل کیا جا سکتا ہے، جس کو علیحدہ بھی نہیں کیا سکتا، لیکن ہمیشہ دوسرے عناصر کے ساتھ آمیزے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یا کوئی کم سائنسی تشبیہ لے لیں، سچ، فرضی حکایت اور فرضی کہانی کے بغیر پانی کی طرح ناقابل.بیان ہے، جس کو صرف برتنوں میں لے جایا سکتا ہے؛ ایک فلسفی جو اصرار کرتا ہے کہ اسے یہ خالص شکل میں چاہئیے، کی حالت اس آدمی جیسی ہے جو پانی کو خود حاصل کرنے کے لیے جگ کو توڑ دیتا ہے۔ شاید یہ صحیح تمثیل ہے۔ کسی بھی طرح مذہب سچ ہے اور اس کا استعاراتی اور اساتیری طور پر اظہار ہوتا ہے، اور اس طرح بنی نوع انسان کے لیے عام طور قابل حصول اور قابل ہضم بن جاتا ہے۔
انسانیت ممکنہ طور پر شاید اسے خالص اور آمیزے کے بغیر حاصل نہیں کر سکتی، جس طرح ہم خالص آکسیجن سے سانس نہیں لے سکتے؛ اور اس کے وزن سے چار گنا زیادہ نائٹروجن بھی ساتھ لیتے ہیں۔ سادہ زبان میں اس کا عمیق مطلب یہ ہے کہ، زندگی کا ارفع مقصد عوام الناس کو کھول کر اور استعاراتی طور پر ہی پیش کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ اسے بالکل خالص اہمیت میں ہضم کرنے کے ناقابل ہیں۔ دوسری طرف فلسفہ،یونانی اسرارات کی طرح چند ممتاز طبقات کے لیے ہے۔

فیلالیتھیس۔ میں سمجھتا ہوں۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سچ کو دروغ گوئی کا لبادہ پہنایا ہوا ہے۔ لیکن ایسا کرنے سے یہ ایک مہلک اتحاد میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں کتنا خطرناک ہتھیار تھما دیا گیا ہے، جو جھوٹ کو سچ کے اظہار کا وسیلہ بنا کر استعمال کرنے کے لیے بااختیار ہیں! اگر یہ اسی طرح ہے جیسے آپ بیان کر رہے ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ جھوٹ سے پہنچایا جانے والا نقصان اس سے بہت زیادہ ہو گا جتنا سچ سے کبھی بھی فائدہ حاصل کیا جا سکتا

ہے۔ تاہم، اگر علامتی حکایت کو اس طرح داخلے کی اجازت دی گئی تھی، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اٹھانا چاہئیے؛ لیکن اس طرح کی اجازت سے خود عزت گنوا بیٹھے گا، نتیجتاً اپنی تمام افادیت بھی کھو دیگا۔ اس لیے، کسی فرضی کہانی کو لازمی طور پر لفظ کے صحیح مفہوم میں سچ کا دعویٰ کرنا چاہئیے، اور اس دعوے کو برقرار بھی رکھنا ہوگا؛ جبکہ زیادہ سے زیادہ یہ علامتی طور پر ہی سچ ہے۔ یہاں پر ہی ناقابل تلافی شرارت اور مستقل برائی ہے: اور یہ اسی لیے ہے کہ مذہب ماضی میں بھی ہمیشہ اور مستقبل میں بھی ہمیشہ ہی خالص سچ کے باعث عمدہ کوشش سے تصادم کی حالت میں رہے گا۔

ڈیموفیلس۔ ایسا نہیں ہے! اس خطرے کا بھی سدباب کر لیا گیا ہے۔ اگر مذہب اپنی علامتی فطرت کا قطعی اقرار نہیں کرسکتا، تو یہ اس کا حسب مراد اظہار ہوگا۔

فیلالیتھس۔ یہ کیسے ہو گا؟

ڈیموفیلس۔ اس کی پُراسراریت میں۔ "پُراسراریت"، درحقیقت مذہبی حکایت کے لیے صرف ایک تکنیکی مذہبی اصطلاح ہے۔ اگر صاف لفظوں میں بات کی جائے تو، پراسرایت ایک کٹر عقیدہ ہے جو صاف طور پر بے معنی ہے، لیکن، یہ، اس کے باوجود، اپنی اندر ایک ارفع سچ چھپائے ہوئے ہے، اور وہ اپنے طور پر خام ذہن کے لوگوں کے مجمع کی عام سمجھ بوجھ کے لیے مکمل طور پر ناقابل فہم ہو گا۔ لوگوں کا مجمع اسے اعتماد کے بہروپ میں مانتا ہے، اور اس پر یقین بھی کر لیتا ہے، اس کی خرافات کی وجہ سے وہ بھٹکتے بھی نہیں ہیں، جو حتیٰ کہ اس کی ذہانت کے لیے بھی واضح ہے؛ اور اس طریقے سے وہ معاملے کے اہم ترین حصے میں شرکت کرتا ہے، جہاں تک اس کے لیے ایسا کرنا ممکن ہو۔ اسکی تشریح کرتے ہوئے میں جو سمجھا ہوں، میں اس میں یہ اضافہ کر سکتا ہوں کہ فلسفے میں بھی پراسرایت کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً پاسکل

جو ایک زمانے میں بہت ہی رحم دل، ریاضی دان، اور فلسفی تھا، اپنی اس سہ گنا صلاحیت میں کہتا ہے: خدا ہر جگہ مرکز ہے اور کہیں بھی مضافاتی نہیں ہے۔ میل برانکے Malebranche کا بھی موزوں جملہ ہے: "آزادی پُراسرایت ہے"۔ کوئی اس سے ایک قدم آگے بھی جا سکتا ہے، اور کہہ سکتا ہے کہ مذہب میں ہر چیز پُراسرایت ہے۔ لفظ کے صحیح مفہوم میں، سچ کو عوام الناس تک اس کی خالص صورت میں پہنچانا قطعی ناممکن ہے؛ وہ تمام جو اس کے ساتھ ہو سکتا ہے، اس کو دیومالائی شبیہ میں دکھایا جا سکتا ہے۔ عریاں سچ عامیانہ غیر مذہبی آدمیوں کی آنکھوں کے سامنے رکھنا ناموزوں ہے؛ اسے صرف بھاری پردے میں ہی دکھایا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ ناموزوں ہے کہ مذہب سے مطالبہ کیا جائے کہ اسے لفظ کے صحیح مفہوم میں سچا ہونا چاہئیے؛ اور یہ، میں گزرتے گزرتے مشاہدہ کر سکتا ہوں، کہ آجکل دونوں، عقلیت پسندوں اور پراسراریت پسندوں کی یہ بے تکی حجت ہے۔ دونوں اس مقام سے شروع کرتے ہیں کہ مذہب کو لازماً حقیقی سچ ہونا چاہئیے؛ اور جبکہ پہلے والے یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے اور بعد والے ہٹ دھرمی سے کہتے ہیں یہ سچ ہے؛ اور بلکہ پہلے والے کریں کس لیتے ہیں اور تمثیلی عنصر کو اس طریقے سے ترتیب دیتے ہیں کہ، لفظ کے درست مفہوم میں یہ سچ ہو سکتا ہے، لیکن اس سلسلے میں یہ ایک فرسودہ خیال ہو سکتا ہے؛ اور بعد والوں کی یہ خواہش ہے کہ اس لفظ کے درست مفہوم میں، اس کی مزید تراش خراش کے بغیر ہی کہ یہ سچ ہے، کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں؛ ایک ایسا ایمان، جسے ہم جاننا چاہتے ہیں، کہ جس کا نفاذ صرف مذہبی عدالتوں اور آگ کی بھٹیوں سے ہی کیا سکتا ہے۔ تاہم، درحقیقت، عُجوبہ اور حکایت مذہب کا لازمی حصہ ہیں؛ اور اس ناگزیر حالت میں، جس کو عوام الناس کی محدود عقل کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے، مذہب، انسانیت کی ان مافوق الفطرت ضروریات کی مناسب انداز میں تسلی فراہم کرتا ہے، جو ختم ہونے والی نہیں

ہیں۔ یہ اس خالص فلسفیانہ سچ کی جگہ لے لیتا ہے جو ہمیشہ سے مشکل اور شاید ناقابل حصول ہے۔

فیلالیتھس۔ آہ! جیسے لکڑی کی بنی ہوئی ٹانگ اصلی ٹانگ کی جگہ لے لیتی ہے؛ یہ وہ چیز مہیا کر دیتی ہے جس کی کمی ہے، محض اس کے لیے فرض ادا کرتی ہے، قدرتی ٹانگ ہونے کے دعوے کا اصرار کرتی ہے، اور بہرحال فنکاری سے دونوں کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ صرف یہ فرق رہ جاتا ہے کہ قدرتی ٹانگ قانوناً لکڑی کی ٹانگ سے پہلے تھی، مذہب نے بھی ہر جگہ فلسفے سے ہی آغاز کیا ہے۔

ڈیموفیلس۔ ایسا ہو سکتا ہے، لیکن پھر بھی ایک آدمی کے لیے جس کے پاس قدرتی ٹانگ نہیں ہے، لکڑی کی ٹانگ بہت ہی کام کی چیز ہے۔ آپ کو یہ چیز ذہن میں لازمی رکھنی چاہئیے کہ بنی نوع انسان کی توہماتی ضروریات کی قطعی طمانیت کا حصول بہت ضروری ہے، کیونکہ انسانی خیالات کے ادراک کا لازمی پس منظر ہے اور اسکا احاطہ کرنا ہو گا۔ اصولی طور پر انسان کے پاس ایسا کوئی آلہ نہیں ہے کہ وہ دلائل کو تول سکے اور سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے کہ درمیان تمیز کر سکے؛ اور اس کے علاوہ فطرت اور فطرت کی ضروریات اس پر جو مشقت ڈالتی ہیں، اس کے بعد اس کے پاس اتنا وقت نہیں بچتا کہ وہ اس طرح کی تحقیقات کر سکے یا تعلیم حاصل کر سکے جو ان کے لیے پیشگی ضروری ہے۔ اس لیے، اس کے معاملے میں، دلائل پر منحصر عقیدے کی بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں؛ اس کو اپنے عقیدے اور اختیار پر ہی انحصار کرنا ہو گا۔ اگر صحیح سچے فلسفے کو مذہب کی جگہ لینی ہے، تو پھر بنی نوع انسان کے کم سے کم دس میں سے نو بندے اسے طاقت کے زور سے مانیں گے؛ پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی عقیدے کا معاملہ ہو گا، جیسے افلاطون کا قول ہے، عوام الناس کا مجمع کبھی بھی فلسفی نہیں بن سکتا، یہ بھی ہمیشہ سچ

رہے گا۔ تاہم طاقت، وقت اور حالات کا ایک مسئلہ ہے، اور اس لیے یہ اس پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، جس کے حق میں صرف دلیل ہے، اس لیے اس کو لازمی اجازت دینی ہو گی، وہ اس کو تاریخی دھارے سے ہٹ کر حاصل نہیں کر سکتا، بیشک یہ ایک حکایت نما سچ کی شکل ہی کیوں نہ ہو۔ اس شکل میں سچ کو اگر طاقت کی امداد مل جائے تو یہ سب سے پہلے بنی نوع انسانی کی ترتیب میں سے پہلے ان کو مائل کرے گا، جو قطعی فلسفیانہ ہیں، پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی ضرورت ایسے نظرئیے کی تلاش ہے، جس سے وہ اپنے وجود کی گنجلک کو حل کر سکے جو خود اس کے حواس پر سوار رہتی ہے، جس کی ضرورت اس احساس سےپیدا ہوتی ہے کہ دنیا میں ایک طبعی دنیا کے پیچھے ایک مافوق الفطرت دنیا ہے، جو مستقلاً تبدیلی کی بنیاد میں ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ اور یہ پھر فانی انسان کی خواہشات، خدشات، امیدوں کو بھی متوجہ کرتی ہے، جو ایک متواتر جدو جہد میں رہتا ہے، اس طریقے سے، اس کے لیے مذہب دیوتا اور بھوت پریت پیدا کرتا ہے، جن کے آگے وہ رو سکیں، اسے خوش کر سکیں، اور اسے جیت سکیں۔ آخر کار، وہ اس اخلاقی احساس کو درخواست کرتے ہیں جو بیشک انسان کے اندر موجود ہے، جو اس کو تعاون اور امداد مہیا کرتا ہے جس کے بغیر وہ اپنے آپ کو ان بے شمار تحریصات کے خلاف جدوجہد میں آسانی سے قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس طرف سے پھر مذہب، زندگی کے بے شمار امتحانات میں بے حساب تسلی اور راحت کا منبع فراہم کرتا ہے، ایک ایسی راحت جو موت کے بعد بھی انسان کو مہیا رہتی ہے، بلکہ اس کے مکمل اثرات اس وقت ظاہر ہونگے۔ اس لیے مذہب کو ایک ایسے آدمی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو اندھے بندے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی راہنمائی کرتا ہے، کیونکہ وہ خود دیکھنے کے قابل نہیں ہے، جس کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے، اور راستے میں پڑی ہوئی ہر چیز کو دیکھنا نہیں چاہتا۔

فیلالیتھس۔ یہ یقیناً مذہب کا مضبوط نکتہ ہے۔ اگر یہ دھوکہ ہے تو یہ نیک دھوکہ ہے؛ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس سے پروہت ایک طرف دھوکے باز اور دوسری طرف اخلاقیات کے استاد بن جاتے ہیں؛ یہ کبھی بھی حقیقی سچ نہیں پڑھا نہیں سکتے، جیسے تم نے اچھے طریقے سے تشریح کی ہے کہ، اگر ان کو علم بھی ہے، لیکن ایسا معاملہ نہیں ہے۔ ایک سچا فلسفہ، پھر بھی ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے، لیکن سچا مذہب نہیں رہ سکتا؛ سچ سے میرا مطلب ہے، لفظ کے صحیح تناظر میں، نا کہ صرف لچھے دار، یا تمثیلی مفہوم میں، جیسے تم نے بیان کیا ہے؛ ایسا مفہوم جس میں سارے مذاہب صرف مختلف درجات میں سچے ہونگے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے، جیسے فلاح اور دکھ، ایمانداری اور دھوکہ، اچھائی اور برائی، شرافت اور کمینگی کا لاینحل آمیزہ ہوتا ہے، جیسے دنیا میں ہر جگہ اوسطاً ایسے ہی اوصاف پائے جاتے ہیں، کہ سب سے اہم، بہت ہی ارفع، بہت ہی مقدس سچ، کیا صرف جھوٹ کے ساتھ مل کر ہی ظاہر ہو سکتا ہے، کیا یہ پھر جھوٹ سے طاقت بھی ادھار حاصل کر سکے گا، جیسے کوئی اور چیز جو بنی نوع انسان پر زیادہ طاقت سے اثر انداز ہوتی ہے؛ اور جیسے الہام، بھی لازمی طور پر جھوٹ ہی بہم پہنچائے گا۔ تاہم یہ پھر اخلاقی دنیا کا امتیازی نشان سمجھا جائے گا۔ تاہم ہم امید کا دامن نہیں چھوڑیں گے کہ بنی نوع انسان ایک دن بلوغت اور تعلیم تک پہنچے گا، جہاں پر یہ ایک طرف سچے فلسفے کو پیدا کرے گا اور دوسری طرف اس کو وصول بھی کرے گا۔ سادگی سچائی کا نشان ہے: عریاں سچ لازمی اتنا سادہ اور ذہین ہونا چاہئیے، کہ تمام لوگوں کو سچی شکل میں، کسی عجوبے اور حکایت کے آمیزے کے بغیر، اور مذہب کی شکل کا بہروپ دئیے بغیر، اس کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔

ڈیموفیلس۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ لوگ کتنے بڑے احمق ہوتے ہیں۔

فیلالیتھس۔ میں صرف ایک امید کا اظہار کر رہا ہوں، جسے میں چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر یہ پوری ہو جاتی ہے، سچائی اپنی سادہ اور ذہین شکل میں لازمی طور پر مذہب کو اس جگہ سے بھگا دے گی جس پر اس کا نمائندہ بن کر اس نے بڑے عرصے سے قبضہ کیا ہوا ہے، اور بالکل انہی ذرائع سے اسے کھلا رکھا ہوا ہے۔ وہ وقت ضرور آئے گا، جب مذہب اپنے مقاصد کو آگے بڑھا چکا ہوگا اور اپنا سفر مکمل کر چکا ہوگا؛ وہ دوڑ جو اس نے اپنی صوابدید سے مدتوں سے شروع کی ہوئی ہے، یہ خود اسے ختم کر سکے گا، اور خود ہی امن سے چلا جائے گا: وہ مذہب کی اذیت ناک موت ہوگی۔ لیکن جب تک یہ زندہ ہے، اس کے دو چہرے ہیں، ایک طرف سچ ہے اور دوسری طرف دھوکہ ہے۔ اس طرح اگر آپ ایک کو یا دوسرے کو دیکھیں، آپ اسے حسن نظر سے دیکھیں یا اسے نقصان رساں سمجھیں۔ مذہب کو ایک لازمی برائی سمجھنا چاہئیے، اس کی ضرورت بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی اکثریت کی قابل رحم کمزور دماغی حالت کی مرہون منت ہے، جو سچ کو سمجھنے کے ناقابل ہیں، اس لیے ان کو اپنی شدید ضروریات میں سے کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے جس کو وہ اس جگہ پر رکھ سکیں۔

ڈیموفیلس۔ یقیناً، کوئی آدمی سوچ سکتا ہے کہ تم فلسفیوں کے پاس سچ الماری میں رکھا ہوا ہے، اور آپ کو صرف یہ کرنا ہے کہ جانا ہے اور حاصل کر لینا ہے!

فیلالیتھس، اچھا، اگر ہم حاصل نہیں کر سکے، یہ بنیادی طور پر اس دباؤ کی وجہ سے ہے جو فلسفے پر مذہب نے تمام وقتوں سے اور تمام جگہوں سے ڈالا ہوا ہے۔ لوگوں نے سچائی کے اظہار اور دوسروں تک پہنچانے کی کوششیں کی ہیں، حتیٰ کہ اس کا سوچنا اور تلاش کرنا بھی ناممکن تھا، بچوں کو ان کے ابتدائی سالوں میں پروہتوں کے ہاتھوں میں دے دیا جاتا تھا تاکہ وہ انہیں اپنی مرضی سے ڈھال سکیں، اس طرح بنا دیں، جہاں ان کے بنیادی خیالات اس کے بعد اسی طرح چل

سکیں، ضروری مسائل اس سختی سے سکھائے جاتے تھے کہ جو ان کی اس ساری زندگی میں جامد اور طے شدہ سمجھے جائیں۔ جب میں سولہویں اور سترہویں صدیوں کے بہترین دماغوں کی تحریروں کو دیکھتا ہوں، ( خاص طور پر اگر میں مشرقی علوم میں مصرف ہوں)، یہ دیکھ کر مجھے صدمہ لگتا ہے کہ کس طرح ان کو یہودی خیالات نے ہر طرف سے مفلوج اور محصور کر رکھا تھا۔ کوئی کس طرح سچے فلسفے کے بارے سوچ سکتا تھا، جب اس کو اس طرح تیار کیا جاتا تھا؟

ڈیموفیلس۔ تاہم اگر سچے فلسفے کو دریافت بھی کرنا ہے تو بھی مذہب دنیا سے غائب نہیں ہو جائے گا، جیسے تم سوچ رہے ہو۔ دنیا میں ہر آدمی کے لیے الہیاتmetaphysics کا ایک نظام نہیں ہو سکتا؛ اس کو انسانوں کے درمیان پائی جانے والی قدرتی فکری طاقت کی تفریق ناممکن بنا دیتی ہے، اور وہ اختلافات بھی جو تعلیم پیدا کر دیتی ہے۔ اگر تمام انسانی نسل کی نا ختم ہونے والی ضروریات کو پورا کرنا ہے تو بنی نوع انسان کی ایک بہت بڑی اکثریت کو اس شدید جسمانی مشقت میں ڈالے جانے کی ضرورت سے بچایا نہیں جا سکتا۔ نا صرف اس سے بہت بڑی اکثریت کے پاس تعلیم، سیکھنے، اور سوچنے کا وقت ہی نہیں بچتا؛ بلکہ ذہن اور جسمانی طاقت کے درمیان سخت اور تیز مخاصمت کی وجہ سے بھی، اور اتنی زیادہ تھکا دینے والی جسمانی مشقت سے عقل دھندلا جاتی ہے، اور بوجھل، پھوہڑ، ناموزوں ہو جاتی ہے اور آخر کار بہت ہی سادہ حالات کے علاوہ کسی اور چیز کو سمجھنے کی صلاحیت کھو دیتی ہے۔ کم از کم دس میں سے نو تک نسل انسانی اسی زُمرے میں آتی ہے۔ لیکن پھر بھی لوگ الہیات کا نظام چاہتے ہیں، وہ یہ کہ دنیا اور اپنے وجود کا احوال جاننا چاہتے ہیں، کیونکہ ایسا احوال بنی نوع انسانی کی بہت ہی فطری ضروریات سے تعلق رکھتا ہے، جسے ایک مقبول نظام کی ضرورت ہے؛ اور مقبول ہونے کے لیے اس کے ساتھ کئی نایاب ہنر بھی جڑے ہونے چاہئیں۔ یہ لازمی آسانی سے سمجھ میں آجائے، اور ساتھ اس کے پاس، مناسب نکات پر، ایک خاص مقدار میں دھندلاہٹ، حتیٰ کہ

ناقابل فہمی بھی ہونی چاہئیے؛ اس کے بعد کٹر مذہبی عقائد کے ساتھ لازمی طور پر درست اور تسلی بخش اخلاقی نظام بھی بندھا ہوا ہونا چاہئیے؛ ان تمام کے علاوہ مشکلات اور موت کے وقت نا ختم ہونے والی تسلی بھی مہیا کرے؛ اور سب کے نتیجے کے طور پر، یہ حقیقی فہم کی بجائے، صرف حکایتاً ہی سچ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس ایک ایسی طاقت کی امداد بھی ہونی چاہئیے، جو اپنی طویل عمر کی وجہ سے شاندار لگے، جسے عالمگیر طور پر، اس کی دستاویزات، اسکی آواز اور بلاغت سے پہچانا جاتا ہو؛ ایسی خوبیاں جنہیں اکٹھا کرنا بہت ہی مشکل ہو، اگر وہ معاملے کو سمجھتے بھی ہیں، جن کے لیے بہت سے بندے مشکل سے ہی جلدی راضی ہوں گے، اور مذہب کو کمزور کرنے کی مدد پر آمادہ ہوں، لیکن یہ ظاہر بھی ہوگا کہ جس کو وہ زک پہنچا رہا ہے وہ لوگوں کا بہت ہی مقدس خزانہ ہے۔ اگر آپ مذہب پر اپنا ایک خیال بنانا چاہتے ہیں، تو آپ کو یہ بات ضرور ذہن میں رکھنی چاہئیے، کہ اس بڑے مجمع کا کردار کیا ہے، جن کے لیے مذہب بنایا گیا تھا، اور اپنے لیے اس کی اخلاقی اور شعور کی مکمل کمتری کی تصویر ذہن نشین کر لیں۔ یہ ناقابل یقین ہے کہ اس کا احساس کمتری کس حد تک جاتا ہے، اور، کیسے ایک مستقل مزاجی سے سچ کا شعلہ لپکے گا، اسکے باوجود کہ یہ مشک کی خوشبو کی طرح بہت ہی خوفناک حکایت یا مکروہ رسم سے، کمینگی اور بد تہذیبی کے پردے میں، ہر اس چیز کو تباہ کرنے کے لیے چمٹی ہوئی ہے، جس کا کبھی بھی اس سے واسطہ پڑا تھا۔ اس مثال سے اُپنشد میں بیان کی گئی گہری بصیرت پر غور کریں، اور پھر ہندوستان میں آجکل احمقانہ بت پرستی، ساتھ ساتھ یاترائیں، جلوسوں، اور میلوں، یا سنیاسیوں کے فاترالعاقلانہ اور احمقانہ دوروں کو دیکھیں۔ لیکن پھر بھی ان سب احمقانہ اور بلا مقصد حرکات میں سے کسی مبہم مقصد کا جو اس سے ہم آہنگ ہے، سے انکار نہیں کر سکتے، جو اس گہری بصیرت کا آئینہ دار ہے، جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ لیکن وحشی مجمع کے لیے، اس کو اس کا پہناوا پہنانا پڑتا ہے۔ اس طرح کے تفاوت میں، ہمارے سامنے بنی نوع انسان کے دو

متضاد نکات، انفرادی بصیرت اور گروہ کا وحشیانہ طرز عمل ہیں، دونوں اپنے رابطے کے نکتے کو اخلاقی دائرے میں تلاش کرتے ہیں۔ پھر کرل کا قول ہر شخص میں ظاہر ہونا چاہئیے۔ "کمینے لوگ مَردوں کی طرح نظر آتے ہیں،" لیکن میں نے ان کی قطعی مشابہت نہیں دیکھی۔ پڑھا لکھا آدمی اسی طرح مذہب کی اپنے لیے تردد کے ساتھ تشریح کر سکتا ہے؛ صاحب بصیرت، اپنے گیان سے خفیہ طریقے سے اس کا فلسفے کے ساتھ تبادلہ کر لے گا۔ لیکن یہاں پھر ایک ہی فلسفہ سب کے لیے مناسب نہیں رہے گا؛ ہم آہنگی کے قوانین کے مطابق ہر نظام اپنی طرف ایسے لوگوں کو کھینچے گا، جن کی تعلیم اور صلاحیتیں ان کو سب سے زیادہ مناسب لگتی ہیں۔ اس لیے پڑھے لکھے گروہ کے لیے مدرسوں کا ہمیشہ کے لیے ایک کم تر درجے کا الہیات کا نظام، اور اعلیٰ طبقے کے لیے ایک علیحدہ اعلیٰ نظام رہے گا۔ مثلاً کانٹ کے ارفع ہدایت نامے کو ان مدرسوں کی سطح تک کم تر کرنا ہوگا اور بے اہمیت، شرابیوں اور نمازیوں جیسے افراد کی طرح تباہ کرنا ہوگا۔ مختصراً یہاں، یا کہیں بھی، گوئٹے کا یہ قول سچا ہے، "ایک چیز ہر ایک کے لیے مفید نہیں ہوتی۔" الہام revelation میں سچا اعتقاد اور سچی الہیات metaphysics دو انتہائیں ہیں، اور درمیانے اقدامات کے لیے دونوں کو بے شمار ترکیبوں اور ترتیبوں میں باہمی تبدیلیاں کرنی ہوں گی۔ اور یہ بے شمار اختلافات کے لیے لازمی قرار دیے گئے ہیں، جن کو تعلیم اور فطرت نے آدمی اور آدمی کے درمیاں رکھا ہوا ہے۔

فیلالیتھس۔ تمھارا نقطہ نظر مجھے قُدَما ancients کی پُراسراریت بارے سنجیدگی سے یاد دھانی کرواتا ہے، جس کا آپ نے ابھی تذکرہ کیا ہے۔ لگتا ہے ان کا بنیادی مقصد شعوری استعداد اور تعلیم میں تفاوت سے پیدا والی برائی کا علاج کرنا تھا۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ عوام الناس کے بہت بڑے گروہ میں سے، جو شفاف سچ کو جذب کرنے سے مکمل طور پر نابلد تھے، مخصوص اشخاص کا

انتخاب کر سکیں، جن پر اس سچ کو خاص وقت پر آشکارہ کر دیا جائے؛ پھر، ان میں سے مزید چند لوگوں کا انتخاب کیا جائے، جن پر مزید سچ آشکارہ کیا جائے، تاکہ وہ زیادہ کو جذب کر سکیں؛ اس طرح کرتے کرتے سب کو سکھا دیا جائے۔ یہ درجات میں پہلے چھوٹے، پھر بڑے اور پھر سب سے بڑے عجائبات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس بندوبست کی، بنی نوع انسان کی شعوری نابرابری کا درست اندازہ لگا کر، بنیاد رکھی گئی تھی۔

ڈیموفیلس۔ یہ کسی حد تک ہماری تعلیم میں پرائمری، مڈل اور ہائی سکول کے نظام میں، پُراسراریت میں شروع کیے جانے والے مختلف درجات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

فیلالیتھس۔ بہت ہی درست طریقے سے؛ اور پھر صرف اعلیٰ علم کے مضامین کے بارے مکمل طور پر لاطینی زبان میں لکھا جاتا ہے۔ لیکن کیونکہ یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے، اب تمام پُراسراریت گستاخانہ ہیں۔

ڈیموفیلس۔ تاہم ایسا ہی ہو گا، میں آپ کو یہ یاد دہانی کروانا چاہتا ہوں، تم مذہب کو نظریاتی کی بجائے زیادہ عملی طرف سے دیکھیں۔ شخصی الہیات مذہب کی دشمن ہو سکتی ہے، لیکن وہی شخصی اخلاق اس کا دوست ہوگا۔ شاید تمام مذاہب میں الہیاتی عنصر جھوٹا ہے؛ لیکن اخلاقی عنصر تمام میں سچا ہے۔ یہ شاید اس حقیقت سے فرض کیا جا سکتا ہے، کہ وہ سب اپنی الہیات میں اختلاف رکھتے ہیں، لیکن اخلاقیات پر متفق ہیں۔

فیلالیتھس۔ یہ منطق کے قانون کی ایک مثال ہے کہ جھوٹے امکانات ایک سچا نتیجہ دے سکتے ہیں۔

ڈیموفیلس۔ اب میں تمہیں تمھارے ہی نتیجے کی طرف لے جاتا ہوں: میں تمھیں یاد دھانی کرواتا ہوں کہ مذہب کی دو سمتیں ہیں۔ اگر یہ اس وقت اپنے قدموں پر ٹھہر نہیں سکتا، جب اس پر اس کی نظریاتی سمت سے نظر ڈالی جائے، جو اسکی شعوری سمت ہے؛ اس کے برعکس دوسری طرف اسکی اخلاقی سمت سے، اس سے یہ خود ثابت ہوتا ہے، کہ اس کے پاس جانوروں کی ان نسلوں کو جن کو دلیل کی طاقت بخشی گئی ہے، کی راہنمائی کرنے، زیر اثر کرنے، اور تشفی دینے کے ذرائع رہ جاتے ہیں، جن کی بندر سے رشتے داری اسے شیر سے رشتے داری سے علیحدہ نہیں کرتی۔ لیکن دوسری طرف اسی وقت ایک قانون کے تحت، مذہب، ان کی احمقانہ الہیاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک مناسب تسلی ہے۔ میرے خیال میں تمھارے پاس اس تفاوت کا مناسب تصور نہیں ہے، جو آسمانوں کی طرح پھیلا ہوا، تمھارے پڑھے لکھے اور روشن خیال آدمیوں کے درمیاں گہری خلیج، سوچنے کے عمل کے عادی، اور بنی نوع انسان کے بھاری درندوں کے وزنی، بھدے، غبی، اور سست ذہن، جن کے تمام تصورات ہمیشہ کے لیے اپنی روزی کمانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، جن کو کسی بھی دوسری طرح کی حرکت میں نہیں ڈالا جا سکتا؛ جن کی جسمانی طاقت کو مکمل طور پر اس طرح کام پر لگائی ہوئی ہے کہ اسکی اعصابی طاقت، جو ذہانت بناتی ہے، بہت ہی گہری ڈبو دی گئی ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے پاس لازمی طور پر کوئی ٹھوس چیز ہوتی ہے جس کو وہ اپنی زندگی کی پھسلن اور کانٹوں والی راہ گزر پر ڈال دیتے ہیں، ایک خوبصورت حکایت کی طرح، جس کے ذریعے ان کے ذہنوں میں ایسی چیزیں ڈالی جا سکتی ہیں، جس سے ان کی خام ذہانت، تصویروں اور تمثیلی کہانیوں سے لطف اندوز ہو سکتی ہے۔ دقیق تشریحات، اور باریک امتیازات ان کے سر کے اوپر سے دور پھینک دی جاتی ہے۔ اگر آپ مذہب کو اس روشنی سے تصور میں لاتے ہیں، اور یہ یاد کرتے ہیں، کہ اس کے

مقاصد تمام عملی کاموں سے اُوپر ہیں، اور یہ صرف ثانوی درجے میں نظریاتی طور پر آپ کے سامنے ایسی کسی قسم کی چیز میں ظاہر ہوگی جو بہت زیادہ عزت کے قابل ہے۔

فیلالیتھس۔ ایک عزت جو آخر کار اس اصول کے پاس جائے گی، جس میں اختتام ذرائع کو باعزت بنا دیتا ہے۔ میں اس طرح کی بنیاد پر سمجھوتے کرنے کے حق میں بہتر محسوس نہیں کرتا۔ بے شک مذہب دو ٹانگوں والی نسل کے گمراہ، کند ذہنوں اور بیماروں کی تربیت کا بہترین ذریعہ ہے: سچائی کے دوست کی آنکھوں میں ہر دھوکہ، بیشک وہ نیک ہی کیوں نہ ہو، اس کی مذمت ہی کی جانی چاہئیے۔ بہروپ کا نظام، جھوٹ کا ایک پلندہ، نیکی کی تبلیغ کے لیے ایک عجیب ذریعہ ہو گا۔ جس جھنڈے کو اُٹھانے کی میں نے قسم کھائی ہے، وہ سچ ہے؛ میں ہر جگہ اسی کے ساتھ وفادار رہوں گا، میں کامیاب ہوتا ہوں یا نہیں، میں روشنی اور سچ کے لیے جنگ جاری رکھوں گا! اگر میں مذہب کو غلط سمت میں دیکھوں گا——

ڈیموفیلس۔ لیکن تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ مذہب بہروپ نہیں ہے: یہ سچ اور تمام سچائیوں میں سب سے اہم ہے۔ جیسے میں نے کہا ہے کہ اس کے ہدایت نامے اتنے ارفع ہیں کہ عوام الناس کا گروہ انہیں بغیر کسی واسطے کے سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ، جیسے میں کہتا ہوں، اس کی روشنی عام آنکھوں کو چُندھیا دے گی، یہ تمثیلی حکایتوں کے پردے میں چھُپی ہوئی آگے آتی ہے، اور ایسا نہیں پڑھاتی ہے کہ جو بذات خود قطعی سچ ہے بلکہ وہ جو اس کے اندر پنہاں ارفع معانی کے مطابق سچ ہے؛ اور، اس طریقے سے سمجھا ہوں کہ مذہب ایک سچ ہے۔

فیلالیتھس۔ یہ بالکل مناسب ہوتا اگر مذہب محض تمثیلی حکایت کے مفہوم میں سچا ہونے میں صرف آزاد ہوتا۔ لیکن اس کا دعویٰ ہے کہ یہ لفظ کے درست مفہوم میں مکمل طور پر سچ ہے۔

یہاں پر ہی دھوکہ چُھپا ہوا ہے، اور یہاں پر ہی ہے کہ سچائی کے دوست اس کے خلاف صف آرا ہو جائیں گے۔

ڈیموفیلس۔ بہروپ ایک ناگزیر صورت ہے۔ اگر مذہب یہ تسلیم کر لے کہ یہ اپنے ہدایت نامے میں صرف تمثیلی حکایت ہے، جو کہ سچ ہے، یہ اپنی اثر انگیزی کا خود ہی گلا گھونٹ دے گا۔ اس طرح کے سخت برتاؤ سے بنی نوع انسان کے دلوں اور اخلاقیات پر یہ اپنے بیش قیمت اثرات کو تباہ کر دے گا۔ اس اصول پرست خود سری پر اصرار کرنے کی بجائے اس کی عملی میدان میں عظیم کارناموں، اس کی اچھائی اور رحم دل احساسات کے بڑھاوے، حکمت عملی میں راہنمائی، اور بنی نوع انسان کو زندگی اور موت کی مشکلات میں دی جانے والی امداد اور تسلی کو دیکھیں۔ آپ کتنا چاہتے ہیں کہ اس میں نظریاتی مین میکھ نکالنے سے اس کو عوام النّاس کی نظروں سے گرا دیا جائے، اور آخر کار اس سے وہ سب کُچھ واپس لے لیا جائے، ایسی چیز جو تسلی اور شانتی کا نہ ختم ہونے والا منبع ہے، ایسی چیز، جس کی اسے مشکل وقت میں بہت ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ جتنی ہمیں ہے۔ صرف اسی اکیلے مقصد کے لیے مذہب کسی بھی حملے کے خطرے سے آزاد ہونا چاہئیے۔

فیلالیتھس۔ اس قسم کی دلیل سے تم لوتھر کو میدان سے فرار ہونے پر مجبور کر سکتے تھے، جب اس نے روحوں کی نجات کی فروخت پر حملہ کیا تھا۔ روحوں کی نجات کے خطوں سے کتنے لوگوں نے تسلی حاصل کی تھی، ایک ایسی تسلی جو اسے مکمل شانتی کے سوا کُچھ نہیں دے سکتی تھی؛ تاکہ وہ خوشی خوشی اور ان کے سامان میں سے جو اس نے موت کے وقت ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، پورے اعتماد اور اس یقین کے ساتھ اس دنیا سے چلا جائے، کہ اس کے پاس تمام نو جنتوں میں داخلے کے لیے اتنے زیادہ سفارشی خطوط ہیں۔

اس طرح کی تسلی اور شانتی کی وجوہات کا کیا فائدہ ہے، جن کو فریب نظری کی سر پر لٹکتی تلوار نے مستقلاً گھیرا ہوا ہے؟ میرے پیارے دوست، سچ ہی ایک محفوظ چیز ہے؛ اور صرف سچ ہی مستقل مزاج اور قابل بھروسہ رہتا ہے؛ صرف یہی ٹھوس تسلی ہے؛ یہی ناقابل تسخیر ہیرا ہے۔

ڈیموفیلس۔ ٹھیک ہے، اگر سچ تمھاری جیب میں ہے، تو پھر طلب کے وقت دینے پر تیار رہیں۔ تمھارے پاس جو کُچھ بھی ہے وہ الہیاتی نظام ہیں، جن میں کُچھ بھی قطعی نہیں بلکہ ہمیں دینے کے لیے درد سر ہیں۔ اس سے پہلے کہ آپ کوئی چیز دور لے جائیں، آپ کے پاس لازماً اس کی جگہ رکھنے کے لیے متبادل کوئی اچھی چیز ہونی چاہئیے۔

فیلالیتھس۔ یہ وہی ہے جو آپ بار بار کہہ رہے ہیں۔ کسی آدمی کو غلطی سے بچانا ہو تو اسے کُچھ دیتے ہیں ناکہ اس سے چھین لیتے ہیں۔ علم جو ایک جھوٹی چیز ہے سچ ہے۔ غلطی ہمیشہ نقصان پہنچاتی ہے؛ جلد یا بدیر یہ اس آدمی کے لیے نقصان کا باعث بنتی ہے جو اسے پالتا ہے۔ پھر لوگوں کو دھوکہ دینا چھوڑ دو؛ اس جہالت کو تسلیم کر لو جو تمہیں معلوم نہیں، اور لوگوں کو چھوڑ دو کہ وہ اپنے لیے اپنے عقیدے کے ضابطوں کا خود انتخاب کر سکیں؛ شاید وہ اتنے برے کا انتخاب نہ کریں، خاص طور اس وقت جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ کندھے رگڑیں گے، اور باہمی طور پر اپنی غلطیوں کو ٹھیک کر سکیں گے۔ بہت سے خیالات کی موجودگی ہر لحاظ سے برداشت کی بنیاد بنتی ہے۔ جن کے پاس علم اور صلاحیت ہے، ہو سکتا ہے وہ اپنے آپ کو فلسفے کے مطالعے کے لیے وقف کر دیں، یا وہ اپنی شخصیات سے فلسفے کی تاریخ کو ایک قدم اور آگے لے جائیں۔

ڈیموفیلس۔ یہ تو بڑا خوش کن منظر ہوگا! الہیات کے کچے ماہرین کی پوری قوم آپس میں پہلے تُوتکار اور آخر کار ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جائیں گے!

فیلالیتھیس۔ اچھا، اچھا، کبھی کبھار کسی کو دو چار لگ جانا بھی زندگی کی تازگی کی علامت ہے؛ یا یہ کسی بھی لحاظ سے، ان چیزوں جیسے راہبوں کی حکومت، عام آدمیوں کو لوٹنا، لادین لوگوں پر ظلم و ستم، مذہبی عدالتیں، صلیبی جنگیں، مذہبی جنگیں، سینٹ بارتھولومیو کے قتل عام کے مقابلے میں معمولی برائی ہے۔ یہ باہر سے نافذ کی گئی مقبول الہیات کے نتائج تھے؛ اس لیے میں اپنے پرانے قول پر قائم رہتے ہوئے یہ کہتا ہوں کہ تم کیکروں سے انگور حاصل نہیں کر سکتے، اور نہ جھوٹ کے پلندوں سے اچھائی کی تمنا کی جا سکتی ہے۔

ڈیموفیلس۔ میں کتنی دفعہ یہ دہراؤں کہ مذہب جو کُچھ بھی ہے لیکن جھوٹوں کا پلندہ ہے؟ یہ خود اپنے میں فرضی، تمثیلی حکایت کی پوشاک میں سچ ہے۔ لیکن جب تم اپنے سب کے لیے منصوبے کی بات کرتے ہو، جس میں ہر کوئی اپنے مذہب کا بانی ہے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مخصوصیت جیسی یہ ہے، یہ انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے، اور آخرکار تمام سماجی نظم کو تباہ کر دے گی۔ انسان ایک الہیاتی جانور ہے،—— یہ کہا جا سکتا ہے، اس کی نہایت ممتاز الہیاتی ضروریات ہیں؛ اس طرح وہ زندگی کو اپنی الہیاتی اہمیت میں سب سے اوپر متصور کرتا ہے، اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ دوسری سب چیزوں کو اس کے برابر لے کر آئے۔ آخر کار، بیشک یہ تمام کٹر عقائد کی بے یقینی کے تناظر میں کتنا ہی عجیب لگے، الہیات کے بنیادی نکات میں اتفاق سب سے اہم چیز ہے، کیونکہ ایک اصلی اور دیرپا اتفاق کا بندھن ان سب میں صرف اسی وقت ممکن ہے، جب ان سب کا ان نکات پر ایک ہی خیال ہو۔ اس کے نتیجے میں، قوموں کے درمیان پسندیدگی اور تضاد میں بڑا نقطہ اتصال حکومت یا زبان کی بجائے مذہب ہے؛ اور اس لیے سماج اور ریاست کا تارپود اس وقت مضبوط ہوگا، جب الہیات کے نظام پر اس کی بنیاد مضبوطی سے کھڑی ہوگی، جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ تاہم یہ ایک مقبول نظام ہو سکتا

ہے،--- وہ ایک مذہب ہے: جو ریاست کے آئین کا جزولاینفک بن جاتا ہے، قومی زندگی کی تمام عوامی خواہشات، اور اسی طرح انفرادی لوگوں کے مقدس اقدامات کا مظہر بن جاتا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ قدیم ہندوستان، ایرانیوں کے درمیان، مصریوں، یہودیوں، یونانیوں، اور رومیوں کے درمیان تھا؛ ایسا ہی معاملہ ابھی بھی برہمنوں، بدھوں، اور مسلمان قوموں کے درمیان ہے۔ چین میں تین مذاہب ہیں، یہ سچ ہے کہ سب سے بڑا — بدھ مت— ہے، یہ ایک مذہب ہے جس کو ریاست کا تحفظ حاصل نہیں ہے؛ لیکن پھر بھی چین میں ایک قول ہے، جس کو ساری دنیا جانتی ہے، اور جس پر ہر روز عمل ہوتا ہے، کہ "تین عقائد دراصل ایک ہی ہیں" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ضروری باتوں پر متفق ہیں۔ بادشاہ سلامت ایک ہی وقت میں اکٹھے تینوں کا اقرار کرتا ہے۔ اور یورپ عیسائی ریاستوں کا مجموعہ ہے؛ عیسائیت ہی اس کے تمام اراکین کی بنیاد ہے، اور ان تمام کے درمیان مشترکہ رشتہ ہے۔ جب کہ ترکی جغرافیائی طور پر یورپ میں ہے، لیکن مناسب طور پر اس کا حصہ نہیں گردانا جاتا۔ اسی طریقے سے یورپی شہزادے اپنا مقام "خدا کی مرضی" سے قائم رکھے ہوئے ہیں؛ اور پوپ خدا کا وائسرائے ہے۔ اس لیے جیسا اس کا تاج سب سے بڑا تھا، اس کی خواہش ہوتی تھی کہ تمام تاجوں کو ایسے سمجھا جائے کہ اس کی طرف سے معاوضے پر قائم ہیں۔ اسی طریقے سے آرچ بشپس اور بشپس بھی دنیاوی طاقت رکھتے ہیں؛ اور انگلستان میں ان کے پاس ابھی بھی ایوان بالا میں نشستیں اور ووٹوں کا حق ہے۔ ایسے ہی پروٹیسٹنٹ شہزادے بھی اپنے کلیساؤں کے سربراہ ہیں؛ انگلستان میں چند سال قبل اسکی سربراہ ایک اٹھارہ سال کی لڑکی تھی۔ پوپ سے بغاوت کے نتیجے میں، اصلاحات نے یورپ کا تار و پود بکھیر دیا، اور خاص طور پر جرمنی کے اصلی اتحاد کو اس کے متفقہ مذہبی عقیدے کی تباہی نے ختم کر دیا۔ یہ اتحاد، جو اب عملی طور پر ختم ہو چکا ہے، اور بعد میں مصنوعی اور خالص سیاسی ذرائع سے بحال کیا گیا ہے۔ پھر آپ دیکھ سکتے ہیں، کہ ایک

مشترکہ عقیدہ کس طرح سماجی نظم اور ہر ریاست کے آئین سے قریبی جڑا ہوتا ہے۔ عقیدہ ہر جگہ قانون اور آئین کی مدد کرتا ہے، اس لیے سماجی ڈھانچے کی بنیاد، جو مشکل سے ہی اکٹھی رہ سکتی ہے، اگر مذہب حکومت کے اختیار اور حکمران کی عزت کے پلڑے میں اپنا وزن نہ ڈالے۔

فیلالیتھس۔ بالکل درست، شہزادے خدا کو ایک قسم کا بھوت بنا کر،اگر اور کُچھ نہ ملے تو بڑے بچوں کو ڈرا کر بستر کی طرف بھیجتے ہیں؛ اس لیے وہ دیوتا کو اتنی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ بہت اچھے۔ مجھے جاتے جاتے اپنے حکمرانوں کے لیے ایک تجویز دینے کی اجازت دے دیں تاکہ وہ اس پر سنجیدگی سے توجہ دے سکیں، کتاب سیموئیل اوّل کے پندرہویں باب کے مطابق، لگاتار ہر سال دو دفعہ، ان کو باقاعدگی سے یاددہانی کروائی جائے کہ قربان گاہ پر تاج کو سہارا دینے کا کیا مطلب ہے۔ اس کے علاوہ زندہ جلانے والی بھٹی کا دور ختم ہو چکا ہے اب یہ قصہ پارینہ بن چکا ہے، اس طرح سے حکومت کرنے کا طریقہ اپنی افادیت کھو چکا ہے۔ اس لیے جیسے تم جانتے ہو، مذہب اب شعلے کے بغیر حرارت دے رہے ہیں؛ وہ صرف اندھیرے میں روشن ہوتے ہیں۔ عام جہالت کی ایک مخصوص مقدار تمام مذاہب کی ضرورت ہے، ایک ایسا واحد عنصر جس میں وہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ اور جیسے ہی علم فلکیات، قدرتی سائنسوں، علم الارض، تاریخ، ملکوں اور لوگوں کے علم کی اپنی روشنی زمین پر پھیل جائے گا، اور فلسفے کو آخر کار اپنا لفظ کہنے کی اجازت دی جائے گی، معجزے اور الہام پر قائم ہر مذہب لازماً ختم ہو جائے گا؛ اور فلسفہ اس کی جگہ لے لے گا۔ یورپ میں علم اور سائنس کا دن پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں طلوع ہو چکا ہے، افلاطونی نشاتہ ثانیہ کے ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا سورج سولہویں اور سترہویں صدیوں میں بڑے اچھے نتائج کے ساتھ مزید بلند ہوا، اور اس نے ازمنہ وسطیٰ کی دھند کو ختم کر دیا۔ اسی تناسب سے کلیسا اور عقیدے کو غائب ہونے پر مجبور کیا گیا؛ اور اٹھارویں صدی میں انگریز اور فرانسیسی فلسفی براہ راست ٹکراؤ کے رویے کو اپنانے کے قابل ہو گئے؛

آخرکار فریڈرک اعظم کے تحت کانٹ ظاہر ہوا اور مذہبی عقیدے سے وہ امداد واپس لے لی، جو وہ پہلے فلسفے سے لیتے تھے؛اس نے گھریلو بنائی ہوئی مذہبیت کو تہس نہس کر دیا، اور جرمن قطعیت اور تحمل سے احمقانہ لہجے کی بجائے پرجوش سوالوں سے حملہ آور ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عیسائیت انیسویں صدی میں اندر سے کھوکھلی ہو گئی ہے، اس میں سے سنجیدہ ایمان تقریباً مکمل ختم ہو چکا ہے؛ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ اب صرف اپنے وجود کے لیے لڑ رہی ہے، اور جب کہ پریشان شہزادے اس کو مصنوعی سہاروں سے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کررہے ہیں، جیسے کوئی ڈاکٹر مرتے ہوئے مریض پر کوئی دوائی استعمال کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کونڈورسٹ کا قول "**انسانی روح کی ترقی**" ، جو لگتا ہے ہمارے دور کے انتباہ کے لیے لکھا گیا تھا: "**فلسفیوں اور بڑے آدمیوں نے جو مذہبی سنجیدگی دکھائی تھی، وہ ایک سیاسی وابستگی تھی؛ اور کوئی بھی مذہب جو اپنے آپ کو ایک عقیدے کے طور پر دفاع کرنے کی اجازت دیتا ہے جو مفید طور پر لوگوں پر چھوڑا جا سکتا ہے، وہ تکلیف کی شدت کو کم یا زیادہ عرصے تک چلنے کی امید کر سکتا ہے۔**" ان تمام واقعات کے عرصے کے دوران، جن کی میں نے نشان دہی کی ہے، آپ ہمیشہ یہ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ علم اور عقیدہ ایک ترازو کے دو پلڑے ہیں؛ جب ایک اوپر جاتا ہے، دوسرا نیچے چلا جاتا ہے۔ یہ توازن اتنا نازک ہے کہ یہ لمحاتی اثرات دکھاتا ہے۔ مثلاً جب اس صدی کے شروع میں بوناپارٹ کی قیادت میں فرانسیسی ڈاکوؤں نے چڑھائی کی، اور ان کو باہر بھگانے اور سزا دینے کی وسیع پیمانے پر کوششیں، سائنس کی ترقی میں عارضی رکاوٹ لائیں اور اس کے نتیجے میں علم کے عام اضافے میں مخصوص گراوٹ آئی تو کلیسا نے فوری طور دوبارہ اپنا

سر اُٹھانا شروع کر دیا اور عقیدے نے زندگی کے تازہ نشان دکھانے شروع کر دیے؛ جو یقینی طور پر، وقت کے حساب سے فطرت میں ضمنی طور پر شاعرانہ تھے۔ جبکہ دوسری طرف اس کے بعد کے تیس سال کے امن، فرصت اور خوشحالی نے سائنس اور علم کے پھیلاؤ میں غیر معمولی طور پر اضافہ کر دیا: جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کہ کہ مذہب کی اب تحلیل اور ناگوار شکست ہوگی۔ شاید وقت آرہا ہے، جس کی کئی دفعہ پیشین گوئی کی گئی ہے، جب یورپی انسان سے مذہب روانگی اختیار کر لے گا، جیسے کسی نرس سے بچہ بڑا ہو جاتا ہے: اب بچہ کسی استاد کو مزید تعلیم کے لیے دے دیا جائے گا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ مذہبی ہدایت نامے جن کی بنیاد صرف طاقت، معجزوں، اور وحی پر ہے، بنی نوع انسان کے بچپن کے لیے مناسب تھے۔ ہر کوئی اس بات کو تسلیم کر لے گا کہ ایک نسل، جس کا ماضی میں زمین پر تمام، طبعی اور تاریخی احوال کا دورانیہ، ساٹھ سال کی عمر کے انسان کا کئی سینکڑوں بار سے زیادہ نہیں رہا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے یہ اسکا پہلا بچپن ہے۔

ڈیموفیلس۔ بجائے اس کے کہ آپ کھلم کھلا عیسائیت کے زوال کی پیشین گوئی سے خوشی حاصل کریں، میں کیسے آپ سے اس پر غور کرنے کی تمنا کر سکتا ہوں کہ کہ یورپی انسان اس کے لا محدود احسانات کے قرض تلے ہوا ہے، اس نے کس وسیع پیمانے پر اس مذہب سے فائدہ اُٹھایا ہے، جس نے ایک لمبے وقفے کے بعد مشرق سے اس کے پرانے گھر سے اس کا پیچھا کیا تھا۔ یورپ نے عیسائیت سے ایسے خیالات لیے جو اس کے لیے واقعی نئے تھے، میرا مطلب ہے بنیادی سچ کا علم کہ زندگی کے یہاں خاتمے سے اس کا اختتام نہیں ہوتا بلکہ ہماری زندگی کا سچا اختتام اس سے بہت دور ہے۔ یونانیوں اور رومیوں نے اس اختتام کو مکمل طور پر ہماری موجودہ زندگی میں دیکھا تھا، اس لیے اس مفہوم میں ان کو یقیناً اندھے بت پرست کہا جا سکتا تھا۔ اور زندگی کے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے، ان کی تمام اچھائیوں کو اس حد تک محدود کیا

جا سکتا ہے جو صرف سماج کے لیے فائدہ مند تھیں، درحقیقت ان کا کیا فائدہ ہے۔ ارسطو بڑی معصومیت سے کہتا ہے، "**وہ اچھائیاں یقیناً سب سے عظیم ہیں جو دوسروں کے لیے بہت فائدے مند ہیں۔**" اسی طرح قُدَما حب الوطنی کو سب سے بڑی اچھائی سمجھتے تھے، اگرچہ حقیقت میں یہ ایک بہت ہی مشکوک بات ہے، کیونکہ تنگ نظری، عصبیت، فخر، اور روشن خیال ذاتی مفاد اس کے بڑے عناصر ہیں۔ اس جملے سے ذرا پہلے میں نے ارسطو کا قول درج کیا ہے، جس میں وہ تمام اچھائیاں گنواتا ہے، تاکہ ان میں سے ہر ایک پر گفتگو کی جا سکے۔ جیسے انصاف، بہادری، اعتدال پسندی، شان و شوکت، عالی ظرفی، آزادی، شرافت، اچھا مذاق، اور حکمت ہیں۔ یہ عیسائی اچھائیوں سے کیسے مختلف ہیں! خود افلاطون، جو عیسائیت کے قبل قُدَما میں بے مثل عظیم ماورائی فلسفی تھا، وہ بھی انصاف سے بڑی کسی اچھائی کو نہیں جانتا تھا؛ اور وہ اکیلا غیر مشروط پر اور اپنے لیے اسکی سفارش کرتا ہے، جب کہ باقی سب خوش و خرم زندگی گزارتے ہیں، "**خوشگوار زندگی،**" تمام اچھائیوں اور اخلاقی کردار کا مقصد اس کو حاصل کرنا ہے۔ عیسائیت نے یورپی انسان کو اس سطحی، اپنی ناگوار شناخت، کے ساتھ اپنے ہر دن کے کھوکھلے، غیر یقینی وجود سے آزاد کروایا،

**اس نے آسمانوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا،**
**اور اپنے چہرے کو ستاروں کی طرف اُٹھایا۔**

اس طریقے سے، عیسائیت، صرف انصاف کرنا ہی نہیں، بلکہ انسانوں سے محبت، دردمندی، اچھے اعمال، معاف کرنا، اپنے دشمنوں سے محبت، صبر، حلیمی، برداشت، اعتماد اور امید رکھنا بھی سکھاتی ہے۔ یہ اس سے ایک قدم آگے بھی گئی اور یہ سکھایا کہ دنیا ایک بدی ہے، اور ہمیں

اس سے نجات چاہئیے۔ اس نے دنیا سے حقارت، نفس کُشی، برہم چاریت، اپنی خواہشات کو ترک کرنا، جیسے زندگی اور اس کی پُرفریب خوشیوں سے منہ موڑ لینا سکھایا۔ اس نے دکھ کی شفا دینے والی طاقت سے آگاہ کیا؛ یہ تشدد دینے والا ایک اوزار عیسائیت کا نشان ہے۔ میں یہ تسلیم کرنے پر بالکل تیار ہوں کہ یہ سنجیدگی، زندگی کا صرف یہ درست تصور ہزاروں سال قبل پورے ایشیا میں مختلف شکلوں میں عیسائیت سے قطعی، آزاد پھیلا ہوا تھا، جو کہ ابھی تک موجود ہے؛ لیکن یورپی انسان کے لیے یہ ایک نیا اور عظیم الہام تھا۔ اس لیے یہ اچھی طرح جانا جاتا ہے کہ یورپ کی آبادی ایشیائی نسلوں پر مشتمل ہے، جن کو ان کے گھروں سے نکال کر خانہ بدوش بنا دیا گیا تھا، اور آہستہ آہستہ یورپ میں آباد ہوتے چلے گئے؛ آپنی آوارہ گردی میں یہ نسلیں اپنے گھروں کا اصلی مذہب، اور اس کے ساتھ ہی زندگی کا درست تصور بھول گئیں: اس طرح، نئے آسمان کے نیچے، انہوں نے اپنے لیے نئے مذہب بنا لیے، جو کہ بالکل خام شکل میں تھے؛ مثال کے طور پر اوڈن کی پرستش جو ڈروڈک یا یونانی مذہب تھا، جس کا اساطیری مواد کمتر اور سطحی تھا۔ اسی دوران یونانیوں نے ایک مخصوص بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ خوبصورتی کا ایک اضطراری فہم تیار کر لیا، جس کا تعلق تمام قوموں سے الگ تھلگ صرف ان کے ساتھ تھا، جو ہمیشہ سے ہی زمین پر مخصوص انداز، عمدگی، اور درستگی سے رہ رہے تھے: اس طرح ان کی مخصوص روایات نے، ان کے شاعروں کی زبان، اور ان کے فنکاروں کے ہاتھوں کو انتہائی خوبصورتی اور دل موہ لینے والی شکل میں پکڑ لیا۔ دوسری طرف، یونانیوں اور رومیوں کے لیے زندگی کی سچائی اور گہری اہمیت گم ہو گئی۔ عیسائیت کے آنے کے وقت وہ بالغ بچوں کی طرح رہ رہے تھے، اور ان کو زندگی کی سنجیدہ سمت کی طرف واپس بلا لیا گیا۔

فیلالیتھس۔ اور اس کے اثرات دیکھنے کے لیے آپ کو صرف قدیم وقتوں اور ازمنہ وسطیٰ، یعنی پیریکلز( 450 ق م) کے وقت کا چودھویں صدی عیسوی، سے تقابل کرنا ہوگا۔ تم مشکل سے یقین

کر سکو گے کہ تم ایک ہی قسم کے لوگوں سے معاملہ کر رہے تھے۔ وہاں انسانیت کی بہترین ترقی، بہترین ادارے، ذہین قوانین، بڑی ہوشیاری سے تقسیم کئے ہوئے دفاتر، منطقی طور پر دی ہوئی آزادی، تمام فنون، بشمول شاعری اور فلسفہ، اپنے عروج پر تھے؛ ہزاروں سال بعد بھی ان کے کام اور تخلیقات، انتہائی اعلیٰ ترتیب کے ساتھ جیسے وہ تھے، ان کا کوئی مقابلہ نہیں، اور جن کی ہم کبھی بھی نقل نہیں کر سکتے۔ زندگی عالی نسب رفاقتوں سے سجی ہوئی تھی، جیسے ذینوفین کی ضیافت میں دکھایا گیا ہے۔ اگر آپ دیکھ سکتے ہیں تو دوسری تصویر کی طرف بھی دیکھیں، جب کلیسا نے ذہنوں کو غلام بنایا ہوا تھا، اور انسانی اجسام کو تشدد کا نشانہ بناتے تھے، امرا اور راہب زندگی کا تمام وزن عام بوجھ اٹھانے والے جانور، یعنی عام آدمی پر ڈال دیتے تھے۔ وہاں آپ کو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون، جاگیرداری اور انتہا پسندی کا قریبی گٹھ جوڑ اور ان کی گھناؤنی جہالت کی تربیت اور ذہن کی تاریکی، اس کے برابر عدم برداشت، مسلکی اختلافات، مذہبی جنگیں، صلیبی جنگیں، اور ظلم و ستم ملے گا؛ رفاقت، بہادری، خونخواری اور حماقت کا گٹھ جوڑ، اس کے ساتھ تنگ نظر اصول پرستی کا جھوٹی احمقانہ حجتوں پر مبنی نظام جس کو انتہاؤں تک پہنچایا جاتا تھا، اس کی عورتوں کے بارے رسوا کن توہم پرستی اور احمقانہ تعظیم شامل تھی۔ بہادری اسی تعظیم کی اضافی پیداوار ہے، تاکہ اس سے زنانہ تکبر کے احسان کا بدلہ چکایا جا سکے؛ اس سے تمام ایشیائوں کے لیے متواتر استہزا کا سامان پیدا ہوتا تھا، اور یونانی بھی اس میں شامل ہو جاتے۔ ازمنہ وسطیٰ کے سنہرے دور میں یہ طریقہ عورتوں کے لیے باقاعدہ اور باضابطہ خدمت بن گئی؛ اس نے ان پر ارفع کردار کے کام لازم کر دیئے، "عاشقانہ لگاؤ"، جیسے بڑے رومانوی گیت، وغیرہ؛ اگرچہ یہ ابھی دیکھنا باقی ہے کہ آخری مسخرہ پن، جس کی ایک عقلی سمت بھی ہے، خاص طور ان کا ٹھکانہ فرانس میں تھا؛ جب کہ مادہ پرست سست جرمنوں میں، امرا نے شراب نوشی اور چوری چکاری میں بڑا نام پیدا کیا؛ وہ مے نوشی اور اپنے محلوں کو لوٹ مار

کے سامان سے بھرنے میں بہت آگے تھے؛ اگرچہ ان کے درباروں میں بے سرے عشقیہ گیتوں کی کمی نہیں تھی۔ یہ مکمل کایا پلٹ کس وجہ سے ہوئی؟ نقل مکانی یا عیسائیت۔

ڈیموفیلس۔ مجھے خوشی ہوئی آپ نے مجھے اس کی یاد دلا دی ہے۔ نقل مکانی خرابی کی وجہ تھی؛ عیسائیت کے بند کی وجہ سے یہ رک گئی۔ خصوصاً عیسائیت نے، اجڈ، جنگلی گروہوں کے سیلاب کو قابو کرکے سدھایا۔ وحشی انسانوں کو لازماً سب سے پہلے گھٹنے ٹیکنے، تعظیم اور اطاعت کرنا سکھایا جاتا ہے؛ اس کے بعد ہی وہ تہذیب یافتہ ہو سکتا ہے۔ اس کام کو آئرلینڈ میں سینٹ پیٹرک نے کیا، جرمنی میں ونیفریڈ سیکسن نے کیا جو اصلی اینگلو سیکسن پادری تھا۔ یہ لوگوں کی نقل مکانی تھی، ایشیائی لوگوں کی یورپ کی طرف آخری پیش قدمی، جس کے بعد صرف اٹیلا، چنگیز خاں اور تیمور نے ناکام کوششیں کیں، پھر مضحکہ خیز طریقے سے خانہ بدوشوں نے چڑھائی کی،—— یہ وہ نقل مکانیاں تھی جنہوں نے قدیم بنی نوع انسان کو پیچھے دھکیل دیا۔ مختصراً عیسائیت وہ اصول تھا جس نے اپنے آپ کو وحشی لوگوں کے خلاف کام پر لگایا؛ جیسے بعد میں پورے ازمنہ وسطیٰ میں کلیسا اور اسکا بندوبست بہت ضروری تھا کہ وہ تشدد کے ماہر وحشی جاہلوں، شہزادوں اور امراء، کو ان کی حدود میں رکھیں؛ یہ تھا وہ دور جس نے اس عظیم طوفان کی برف کو توڑا۔ اس کے باوجود عیسائیت کا بڑا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس زندگی کو اتنا خوشگوار بنائے کہ ہمیں اس سے بہتر کی تمنا نہ رہے۔ یہ وقت کے اس دورانیے، اس عارضی خواب سے آگے دیکھتی ہے، اور ابدی فلاح کی تلاش کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ اس کا رجحان اخلاق کے لفظ کے عظیم ترین مفہوم کی طرف ہے، ایک ایسا مفہوم جو اس کی ایجاد سے قبل یورپ میں ناپید تھا؛ جیسا میں نے قُدما اور عیسائیت کی اخلاقیات اور مذہب کو ساتھ ساتھ رکھ کر دکھایا ہے۔

فیلالیتھس۔ تم قیاس کی حد تک بالکل درست ہو: لیکن اطوار کو دیکھیں! عیسائیت سے مقابلے میں، ازمنہ وسطیٰ کے مقابلے میں، جب اس کے شدید تشدد سے اموات اور اس کا بھٹیوں میں بے شمار لوگوں کو زندہ جلانے سے، قدیم دنیا، کسی شک و شبے کے بغیرکم ظالم تھی۔ اس کے علاوہ قُدمَا میں بہت برداشت تھی، انصاف پر بہت زور تھا، بڑی دفعہ اپنے ملک کے لیے اپنی قربانی پیش کی، عالی ظرفی اور اصلی مردانگی کی ہر قسم کی ایسی نشانیاں پیش کیں، اور آج کے دن تک ان کے تصورات اور اعمال کو انسانیت کے مطالعے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ عیسائیت کے ثمرات، مذہبی جنگیں، قتل عام، صلیبی جنگیں، مذہبی عدالتیں، امریکہ میں مقامی باشندوں کا صفایا، اور ان کی جگہ افریقی غلاموں کا تعارف، تھے؛ قُدمَا میں آپ کو اس سے ملتی جلتی کوئی بھی چیز نہیں ملے گی، کوئی بھی ایسی چیز جس کا اس سے مقابلہ کیا جا سکے؛ قُدمَا کے غلام اجتماعی گھروں، اور اجتماعی بچوں کے ساتھ، مطمئن زندگی گزارتے تھے، اور اپنے مالکوں کی خدمت کے لیے وفادارانہ وقف تھے۔ اور گنے کی کاشت کے لیے قابل ترس حالت میں رہنے والے افریقی غلاموں سے بہت مختلف تھے، جو انسانیت کی تذلیل ہے، کیونکہ دونوں کے رنگ مختلف ہیں۔ وہ مخصوص خطائیں جن کے لیے ہم قُدمَا کو برا بھلا کہتے ہیں اور جو آج کل بھی کم عام نہیں ہیں جتنی اس سلسلے میں باہر نظر آتی ہیں، وہ بھی انگنت عیسائی زیادتیوں کے مقابلے میں معمولی ہیں، جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ پھر بھی آپ یہ سب دیکھ کر اس پر قائم ہیں کہ عیسائیت نے بنی نوع انسان کی حقیقت میں بہتر اخلاقی اصلاح کی ہے؟

ڈیموفیلس۔ اگر اس کے نتائج ہر جگہ سچائی اور خالصیت کے ہدایت نامے doctrine کے مطابق اس طرح کے نہیں ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت نامے کا معیار اتنا زیادہ اعلیٰ، اور بنی نوع انسان کے کے لیے اتنا بلند تھا کہ اس کے مقصد کو بہت اُونچائی پر رکھ دیا گیا تھا۔ بت پرستوں یا مسلمانوں کے معیار تک پہنچنا بڑا ہی آسان تھا۔ مختصراً یہی ہے کہ جو ارفعیٰ اور شاندار ہے، ہر

جگہ وہ ہی زیادہ غلط اور دھوکہ دہی کے لیے استعمال ہوتا ہے: "بد ترین گالیاں"۔ یہی اعلیٰ ترین ہدایت نامے اس وقت بھی اور آج بھی شدید قابل نفرت کاموں اور بلا رو و رعایت کینہ پروری کے کاموں کے بہانے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے میں نے پہلے کہا ہے کہ پرانی دنیا کے اداروں اور ساتھ ہی ان کے فنون اور سائنس کے زوال کو غیر ملکی وحشیوں کی پیش قدمی کے ساتھ جوڑا جانا چاہئیے۔ اس پیش قدمی کا لازمی نتیجہ جہالت اور وحشیانہ پن کا عروج تھا؛ نتیجتاً تشدد اور بد معاشی نے اپنے زیر تسلط علاقوں میں برتری حاصل کر لی، اور شہزادے اور راہب انسانیت پر بوجھ بن گئے۔ تاہم ضمنی طور پر اس کی وضاحت اس حقیقت سے کی جا سکتی ہے کہ نئے مذہب نے خواہشات کا مرکز دنیاوی کی بجائے اُخروی فلاح کو قرار دیا، یہ پڑھایا کہ دل کی سادگی کو علم پر ترجیح دی جائے اور دنیا کی تمام لذتوں کو نفرت سے دیکھا جائے۔ اب فنون اور سائنس دنیاوی مسرت حاصل کرنے کا وسیلہ ہیں؛ لیکن جب تک وہ مذہب کی خدمت کرنے کے قابل تھیں، ان کی ترویج کی گئی، اور انہیں نے ایک خاص حد تک تکمیلیت حاصل کی۔

فیلالیتھس۔ بڑے ہی چھوٹے دائرے میں۔سائنس ایک مشکوک دوست تھی، اور اس طرح، اس کو پابندیوں میں رکھا گیا: دوسری طرف پیاری جہالت تھی، جو اعتقاد کے نظام کے لیے بڑی ضروری تھی، اس کی بڑی توجہ سے آبیاری کی گئی۔

ڈیموفیلس۔ لیکن پھر بھی اس وقت تک انسان کی علم کے ذریعے استعدادکار، جس کو قُدَما کی تحریروں کے ذریعے محفوظ کیا گیا تھا، کو راہبوں کے ذریعے ضائع ہونے سے بچایا گیا، خاص طور پر وہ جو خانقاہوں میں تھیں۔ اس کی حالت کیا ہوتی، اگر لوگوں کی نقل مکانی سے ذرا پہلے عیسائیت نہ آئی ہوتی۔

فیلالیتھس۔ یہ یقیناً بہت ہی کارآمد تحقیقات ہوتیں، اگر ان پر شیتل غیر جانبداری، غیر متعصبانہ، محتاط، اور اس کے فوائد اور نقصانات کے درست تقابل کی کوشش کرکے ان کو بنایا جاتا، جن کو مذہب میں ڈال دیا جاتا۔ تاہم، اس کے لیے، بہت زیادہ تاریخی اور نفسیاتی علوم کے مواد کی، اس کی نسبت جو ہمارے دائرہ اختیار میں ہے، ضرورت ہوتی۔ تعلیمی ادارے اس کو ایک انعامی مقالے کا موضوع بنا سکتے ہیں۔

ڈیموفیلس۔ یہ اس کو نہ کرنے کی اچھی نگرانی کریں گے۔

فیلالیتھس۔ مجھے آپ سے یہ سن کر حیرانی ہوئی ہے؛ یہ مذہب کے لیے بُری صورت احوال ہے۔ تاہم، ایسی اکیڈیمیاں ہیں جو مقابلہ کروانے کے لیے اس موضوع کو تجویز کر سکتی ہیں، اور اس کو ایک خفیہ شرط بھی لگائی جا سکتی ہیں کہ انعام اس شخص کو ملے گا جو اپنے لکھے ہوئے کی سب سے بہترین تشریح کر سکے گا۔ اگر ہم صرف کسی ماہر شماریات کو حاصل کرکے اس کی شروعات کروا سکیں، جو ہمیں یہ بتائے کہ مذہب کی وجہ سے ہر سال کتنے جرائم کو سرزد ہونے سے بچایا گیا ہے، اور کتنے دوسرے محرکات سے جرائم سرزد نہیں ہونے پائے، پہلے کی وجہ سے بہت کم واقعات ہونگے۔ اگر کوئی آدمی جرم سرزد کرنے کی جانب راغب ہونا محسوس کرتا ہے، آپ اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں کہ پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا ہوگا وہ اس کے لیے مقرر سزا ہے، اور اس چیز کے امکانات کہ اس کے بعد اس کے ذہن جو کچھ آئے گا، دوسرے خیال کے طور پر وہ اس کی شہرت کا امکان ہوگا۔ اگر مجھے غلطی نہیں لگ رہی تو وہ اس وقت ان دو رکاوٹوں کے بارے سوچ بچار کر رہا ہوگا، اس سے پہلے کہ اس کو کبھی مذہبی فکر کا خیال آیا ہوگا۔ اگر اسے، جرم کرنے سے پہلے ان پہلی دو رکاوٹوں سے تحفظ کا یقین ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اکیلا مذہب اس کو اس کام کے کرنے سے باز نہیں رکھ سکے گا۔

ڈیموفیلس۔ میرا خیال ہے کہ یہ کافی دفعہ اسے روکے گا، خاص طور پر اگر اس کا اثر رواج کے ذریعے اس تک پہنچا ہے۔ کوئی بھی غلط کام فوری طور پر ناگوار لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیا ہے لیکن پہلے خیالات کا اثر ہے؟ مثلاً آپ سوچیں، کوئی شریف النفس آدمی کتنی دفعہ، بہت زیادہ قربانیاں دے گا کہ وہ، وہ کام کر لے جس کا اس نے وعدہ کیا ہوا ہے، جس کو صرف اس حقیقت سے تحریک ملے گی کہ اس کے باپ نے بڑی محبت سے اسے بچپن میں بتایا تھا کہ "ایک عزت دار آدمی" یا "شریف آدمی" یا "ایک درباری مصاحب" اپنے قول کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہے۔

فیلالیتھس۔ یہ کسی کام کی چیز نہیں ہے جب تک اس میں پیدائشی عزت داری نہ ہو۔ آپ اسے مذہب کے کھاتے میں بالکل نہ ڈالیں جو کردار کی پیدائشی مضبوطی کا نتیجہ ہو، جس کے ذریعے انسان کے لیے دردمندی، جو اپنے جرم سے تکلیف میں مبتلا ہو گا، اس کو جرم کا ارتکاب کرنے سے روکتی ہے۔ یہ اصلی اخلاقی محرک ہے، اور اس طرح تمام مذاہب سے آزاد ہے۔

ڈیموفیلس۔ لیکن یہ ایسا محرک ہے جو عوام النّاس پر اثر انداز نہیں ہوتا جب تک کہ یہ مذہبی رنگ اختیار نہ کر لے۔ مذہبی رنگ کسی بھی طریقے سے اچھائی کی طاقت کو مضبوط کرتا ہے۔ تاہم ایسی کسی بھی قدرتی بنیاد کے بغیر، مذہبی محرکات اکیلے ہی اتنے طاقت ور ہوتے ہیں کہ وہ جرم کو روک سکیں۔ ہمیں عوام الناس کے سلسلے میں اس پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں، جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ بھی کبھی کبھار اس کے زیر اثر کام کرتے ہیں، بلکہ محرکات کے تحت کام نہیں کر رہے ہوتے، جن کی بنیاد کسی ایسی چیز پر ہوتی ہے جو کہ تمثیلی طور پر سچ ہوتی ہے، لیکن بہت ہی نامعقول توہم پرستی پر مبنی ہوتی ہے، اور اس کو وہ اجازت دے دیتے ہیں کہ وہ ساری عمر ان کی راہنمائی کرتی رہے؛ جیسے کہ جمعے والے دن کوئی کام نہیں کرنا، ایک میز پر

تیرہ آدمیوں کا اکٹھے بیٹھنے سے انکار، وقتی شگون کی تابع داری کرنا، اور اسی طرح کے اور بہت سے کام۔ ایسی چیزوں سے عوام الناس کی اور کتنی راہنمائی کی جا سکتی ہے۔ آپ ذہن کی باریک حدود کا اسکی خام حالت میں خیالات کا درست اندازہ نہیں لگا سکتے؛ ایک مکمل تاریکی کی جگہ پر، خاص طور پر جب اکثر ایسا ہوتا ہے، ایک برا، غیر منصفانہ اور پر عناد دل اس کی تہ میں موجود ہو۔ اس حالت میں لوگوں-- اور اس میں بنی نوع انسان کی زیادہ تعداد موجود ہے-- کی لازمی راہنمائی اور ان کو جس حد تک ہو قابو میں رکھیں، بیشک، اگر یہ حقیقی توہمات کے محرکات کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو؛ اس وقت تک جب تک کہ وہ سچے اور بہتر لوگ اثر پزیر ہو جاتے ہیں۔ مذہب کے براہ راست کام کرنے کی ایک مثال کو حقیقت کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے، جو اٹلی میں خاص طور پر عام بات ہے، جن میں وہ چوری کی ہوئی چیزوں کو واپس لوٹا دیتے ہیں، اپنے اعتراف کرنے کے زیر اثر، وہ کہتا ہے وہ کبھی نجات نہ پاتا اگر وہ ایسا نہ کرتا۔ حلفیہ بیان کے بارے ایک دفعہ پھر غور کریں، جہاں مذہب یقیناً قطعی اثر دکھاتا ہے؛ بیشک یہ ایسے ہو کہ کوئی آدمی مکمل طور پر اپنے آپ کو ایک خالص اخلاقی انسان کی حیثیت سے ڈھال لے، اور اس طرح سے اپنے آپ کو ایسے دیکھتا ہے کہ اس کو سنجیدگی سے درخواست کی گئی ہو، جیسے یہ فرانس میں ہوتا نظر آتا ہے، جہاں یہ طریقہ بڑا سادہ سا ہے کہ میں "حلف اٹھاتا ہوں" اور ایسا ہی کیوکرزQuakers کے درمیان بھی ہے, جن کی تکریمی ہاں یا ناں کو حلف کے مترادف سمجھا جاتا ہے؛ یا پھر ایسا ہی ہے کہ آدمی واقعی یقین کرتا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کا اعلان کر رہا ہے جو اس کی ابدی خوشی پر اثر انداز ہو سکتی ہے، --ایک یقین جو فرضی طور پر صرف پرانے احساسات کا پرتو ہے۔ کسی بھی طور پر، مذہبی خیالات، انسان کی اخلاقی فطرت کو جگانے اور دکھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ یہ کتنی دفعہ واقع ہوا ہے کہ ایک انسان جب جھوٹا

حلف اٹھاتا ہے، اور، پھر، جب یہ اپنے نکتے پر آتا ہے، وہ اچانک انکار کر دیتا ہے، اور سچ اور حق آخر کار جیت جاتے ہیں۔

فیلالیتھس۔ در حقیقت اکثر جھوٹے حلف لیے جاتے ہیں، اور سچ اور درستگی کو اپنے پیروں تلے روندھتے ہیں، اگرچہ حلف کے تمام گواہ اس کو اچھی طرح جان رہے ہوتے ہیں! پھر بھی آپ مذہب میں حلف کی عملی موثر کارکردگی کی ناقابل تردید مثال دینے میں حق بجانب ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود جو آپ نے کہا ہے، مجھے شک ہے کہ مذہب کے اثرات اس سے کافی آگے بھی جاتے ہیں۔ ذرا سوچیں؛ اگر سرکاری اعلان کر دیا جائے کہ اچانک تمام فوجداری قوانین ختم کر دیئے گئے ہیں؛ میرا خیال ہے کہ نہ تم اور نہ ہی میں صرف مذہبی خیالات کے تحفظ تلے گھر جانے کی جرات کر سکیں گے۔ اور اگر، اسی طریقے سے، سب مذاہب کو غیر حقیقی قرار دیا جائے تو اکیلے قوانین کے تحفظ میں، اپنے شکوک یا اپنی احتیاط کے اقدامات میں مخصوص اضافوں کے بغیر بھی ہم پہلے کی ہی طرح رہتے رہیں گے۔ میں اس سے آگے جاتا ہوں کہ مذاہب نے بہت دفعہ قطعی حوصلہ شکن اثرات کا حربہ استعمال کیا ہے۔ عام طور پر ہر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا سے متعلق فرائض اور بنی نوع انسان کے متعلق فرائض، قطعی متضاد تناسب سے ہیں۔

یہ آسان ہے کہ دیوتا کی چاپلوسی میں انسان کی طرف اس کے نامناسب رویے کی وجہ سے ترمیمات ہونی چاہئیں۔ جیسے ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ادوار اور تمام ممالک میں بنی نوع انسان کی اکثریت کے لیے جنت میں دعاؤں کے ذریعے جانا کافی آسان لگتا ہے اس کی نسبت کہ وہ اپنے اعمال کے مطابق اس کے حق دار ہیں یا نہیں- ہر مذہب میں جلد ہی عقیدے، رسوم، رواجوں، اور اسی طرح کے دوسروں کاموں کے ساتھ یہ معاملہ ہو جائے گا اور دعوی کر دیا جائے گا کہ اخلاقی اعمال کی نسبت یہ اللہ کو یہ زیادہ قبول ہیں؛اور پہلے اس لیے زیادہ کہ اگر ان میں راہبوں

کے لیے مراعات جُڑی ہوئی ہونگی، اور آہستہ آہستہ وہ دوسری کا متبادل آنا شروع ہو جائیں گی۔ معبدوں میں قربانیاں، اجتماعی دعائیں، گرجا گھروں کی تعمیر، سڑکوں کے کناروں پر صلیبوں کو نصب کرنا، جلد ہی سب سے زیادہ تحسین کے کام بن جائیں گے، تاکہ بڑے بڑے جرائم کی ان سے تلافی ہو سکے، اور اسی طرح اعتراف گناہ سے بھی، جب وہ راہبانہ حکم، اعتراف گناہ، زیارات، معبدوں اور راہبوں کے لیے عطیات، خانقاہوں کی تعمیر اور اسی جیسے دوسرے کاموں سے مشروط ہوں۔ آخرکار ان سب کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ دیوتاؤں کی بددیانتیوں میں یہ وچولڑے بن جائیں گے۔ اور اگر معاملات اس طریقے سے بعینہ ہی نہ ہوئے تو پھر مذہب کہاں ہوگا؟ جن کے پیروکار، دعاؤں، تعریفوں، وابستگی کے کئی گنا اقدامات کو، بیشک کُچھ حصہ ہی، ان کے اخلاقی اقدار کا متبادل سمجھنا شروع نہیں ہو جائیں گے؟ انگلستان پر نظر ڈالیں، جہاں بطور پادری مت کی بےخوف حرکت کے طور پر عیسائی اتوار کو، جسے کانسٹنٹائن اعظم نے یہودی یوم سبت کا متبادل متعارف کروایا تھا، دروغ گوئی سے اس سے جوڑ دیا گیا ہے اور اسی کا نام اپنا لیا گیا، -- اور یہ اس لیے کیا ہے تاکہ یہودی خدا کے یوم سبت کے متعلق احکام کو (وہ یہ ہیں جب خدا نے چھ دن کی محنت کے بعد آرام کیا تھا اور اس لیے یہ لازمی طور ہفتے کا آخری دن ہے)، عیسائی اتوار پر ثبت کیا جا سکے، dies solis ہفتے کا پہلا دن، وابستگی اور خوشی کا دن، جس دن سورج اپنی تابناکی میں نکلتا ہے۔ اس دھوکے کا نتیجہ یہ ہے کہ "یوم سبت کا توڑنا" یا "یوم سبت کی توہین"، جو کہ چھوٹا سا کام ہے، لیکن چاہے کاروبار یا خوشی، تمام کھیل، موسیقی، سینا پرونا، دنیاوی کتب کو اتوار کو کرنا یا پڑھنا بہت بڑے گناہ ہیں۔یقیناً عام آدمی کو اپنی روحانی راہنمائی کے اثرات کے تحت ایمان رکھنا چاہئیے، اور وہ "صرف مقدس یوم سبت کی سخت پابندی کر رہا ہے" اور وہ "خدائی دعا پر باقاعدہ حاضری دینے والا ہے" اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ ہمیشہ اتوار کو اس کاموں سے دور رہ کر وقت گزارتا ہے، اور کلیسا میں دو گھنٹے اسی وعظ کو ہزارویں دفعہ لازمی

بیٹھ کر سنے اور اسی دھن میں دوسروں کے ساتھ گنگنائے تو وہ ان معمولی فروگزاشتوں کے سلسلے میں، جن کو کرنے کی وہ اپنے آپ کو کبھی کبھار اجازت دے دیتا ہے، کے باوجود نجات کے لیے شامل ہو جائے گا۔ بیشک وہ انسانی شکل میں شیطان، شمالی امریکہ کی آزاد ریاستوں میں غلاموں کے مالک، اور غلاموں کے تاجر (ان کو غلام ریاستیں کہنا چاہئیے) قانونی طور پر تسلیم شدہ نیک انگلیسی ہیں، جو اتوار کو کام کرنا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہیں؛ اور اس میں اعتماد کرتے ہوئے، اور کلیسا میں ان کی باقاعدہ حاضری سے ابدی خوشی کی تمنا کرتے ہیں۔ مذہب سے بددلی کا رجحان اتنا تکلیف دہ نہیں جتنا اس کا اخلاقی اثر ہے۔ وہ اخلاقی اثر لازمی طور کتنا زیادہ اور کتنا یقیناً ہونا چاہئیے تاکہ وہ مذہب کی حد درجہ خباثتوں کو تبدیل کر سکے جو خصوصاً عیسائی اور مسلمان مذاہب نے دنیا میں پھیلائی ہیں! انتہا پسندی کے بارے سوچیں، لامنتہائی ظلم و ستم، مذہبی جنگیں کے بارے سوچیں، جن کی خونخوار جنونیت کے بارے قُدمَا کے نزدیک کوئی تصور نہیں تھا! صلیبی جنگوں کے بارے سوچیں، اور یہ خونریزی دو سو سال تک جاری رہی، اور اس کا ناقابل معافی مذہبی نعرہ، کہ "یہ **خدا کی مرضی** ہے"، اسکا مقصد اس قبر پر قبضہ کرنا تھا جس نے محبت اور اطاعت گزاری کی تبلیغ کی تھی! ہسپانیہ سے مسلمانوں اور یہودیوں کو بیدخل اور ختم کرنے کے بارے سوچیں، خونی دعوتوں، مذہبی عدالتوں، بدعقیدتگی کی عدالتوں، مسلمانوں کی تین براعظموں میں خونخوار اور خوفناک فتوحات، کے بارے سوچیں یا عیسائیوں کی امریکہ کے بارے سوچیں، جس کے زیادہ تر اور کیوبا کے تمام باشندوں کو نیست ونابود کر دیا گیا۔ لاس کاسس کے مطابق، عیسائیت نے چالیس سالوں میں ایک کروڑ بیس لاکھ لوگوں کو قتل کیا، "**خداوند خدا کی عظیم عظمت کے لیے**" اور انجیل کی تبلیغ کے لیے، اور کیونکہ جو عیسائی نہیں تھا اس کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا! یہ سچ ہے کہ میں نے ان معاملات کو پہلے بھی دیکھا ہے؛ لیکن جب ہم

اپنے دور میں خدا کی بادشاہت سے تازہ ترین خبریں سنتے ہیں [حاشیہ: ایک مشنری اخبار کا چالیسواں سالانہ نمبر جو 1856 میں چھپا]، ہم پرانی خبروں کو ذہن میں لا کر تنگ نہیں آنا چاہتے۔ اور اس کے علاوہ ہمیں ہندوستان، انسانی نسل کا پنگوڑا، کو نہیں بھولنا چاہئیے یا کم از کم اس علاقے کو جہاں سے ہمارا تعلق ہے، جہاں پہلے مسلمانوں اور پھر عیسائیوں نے انسانیت کے اصلی عقیدے کے ماننے والوں پر طیش میں آکر مظالم کیے۔ پرانے مندروں یا بتوں کی بربادی یا شکل بگاڑنا، ایک اندوہناک، فتنہ انگیز، اور ظالمانہ فعل ہے، جو ابھی تک مسلمانوں کے واحدانیت کے نظرئیے کی غضبناکی کا شکار ہیں، جو بدو عربوں، غزنوی کی ملعون یاد، سے اورنگ زیب کی برادر کشی تک چلتی رہی، جس کو پرتگیزی عیسائیوں نے گوا میں مندروں کو تباہ اور مذہبی عدالتوں کے فیصلے سنا کر اورنگ زیب کی مکمل نقل کی۔ ہمیں خدا کے پسندیدہ لوگوں کو نہیں بھولنا چاہئیے، جنہوں نے خدا کے واضح حکم کے بعد افریقہ میں اپنے پرانے اور قابل اعتماد دوستوں کے سونے اور چاندی کے برتن چرا لیے، جو ان کو ادھار دئیے گئے تھے، پھر انہوں نے "**وعدہ کی ہوئی زمین**" کی طرف قتل و غارت گری کے ساتھ، ایک قاتل موسیٰ (اس نے ایک قبطی کو قتل کیا تھا) کی سرکردگی میں پیش قدمی شروع کر دی، تاکہ اس کو ان کے اصلی وارثوں سے چھینا جا سکے، ---پھر دوبارہ، اسی طرح کے اللہ کے واضح اور دہرائے گئے احکامات کے مطابق انہوں نے کسی پر رحم نہیں کیا، رہائشیوں، عورتوں، بچوں اور تمام کو تہہ تیغ کر دیا (یوشع، باب 10-9)۔ اور یہ سب اس لیے کیا کہ ان کے ختنے نہیں ہوئے تھے، اور وہ یہودیوں کے خدا کو نہیں جانتے تھے، یہ کافی وجہ تھی جس سے ان کے خلاف ساری خباثت جائز تھی؛ بالکل اسی وجہ سے اس سے پہلے وقتوں میں پیغمبر یعقوب اور اس کے مقدس لوگوں کی شالم کے بادشاہ ہیمر اور اس کے عوام کے خلاف بدنام زمانہ بدمعاشی بھی اس کی عظمت کے ساتھ لکھی ہوئی ملی ہے کیونکہ وہ لوگ ایمان نہیں رکھتے تھے ہے! (کتاب پیدائش باب .18 .xxxiii)۔ سچ میں یہ مذاہب کی بدترین

اقسام ہیں، جو ایک مذہب کے پیروکاروں نے اپنے آپ کو دوسروں کے خلاف تمام گناہوں کی اجازت دی ہے، اور بدترین قسم کی غنڈہ گردی اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے ہیں، مسلمانوں نے عیسائیوں اور ہندوؤں کے خلاف، عیسائیوں نے ہندوؤں، مسلمانوں، امریکی مقامی باشندوں، نیگروز، یہودیوں، ملحدوں اور دیگر کے خلاف مظالم کیے ہیں۔

شاید میں تمام مذاہب کہہ کر بہت آگے چلا گیا ہوں۔ سچائی کے طور پر میں لازماً یہ اضافہ کروں گا، مذہب کے نام پر کیے جانے والے متشددانہ مظالم کو صرف واحدانی مذاہب کے پیروکاروں کے کھاتے میں جاتے ہیں، جو یہودیت اور اس کی دو شاخیں، عیسائیت اور اسلام ہیں۔ ہم نے ہندوؤں اور بدھوؤں کے متعلق اس طرح کا کبھی نہیں سنا۔ اگرچہ یہ عام فہم بات ہے کہ پانچویں صدی عیسوی تک برہمنوں نے بدھوؤں کو ان کے قدیم گھر انڈین جزیرہ نما کے جنوب ترین خطے سے باہر دھکیل دیا اور وہ پھر باقی کے سارے ایشیا میں پھیل گئے، جہاں تک میں جانتا ہوں، اس دوران ہوئے کسی قسم کے متشدد جرائم، یا جنگوں، یا مظالم کا ہمارے پاس قطعی احوال نہیں ہے۔

تاہم ہو سکتا ہے کہ یہ ابہام کی طرف اشارہ کرتا ہو، جس نے ان ممالک کی تاریخ کو چھپایا ہوا ہے؛ لیکن ان مذاہب کے انتہائی نرم کردار اور اس کے ساتھ ان کی نہ ختم ہونے والی تمام زندہ چیزوں کے بارے برداشت کی تعلیم نے، اور اس حقیقت نے کہ برہمن مت اپنے ذات پات کے نظام کی وجہ سے کسی نئے عقیدے کو قبول نہیں کرتے، ہمیں یہ امید کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ اس کے پیروکاروں کو بڑے پیمانے پر خون بہانے اور کسی بھی شکل کے ظلم کرنے کے تصور سے آزاد کر دینا چاہئیے۔ سپنس ہارڈی اپنی شاندار کتابEastern Monachism، میں بدھ مت والوں کی غیر معمولی قوت برداشت کی تعریف کرتا ہے اور اپنی اس یاد دھانی کا اضافہ

کرتا ہے کہ بدھ مت کی تاریخ، دوسرے مذاہب کے مقابلے میں مذہبی ظلم و ستم کے بہت ہی کم واقعات بیان کرتے ہیں۔

درحقیقت، یہ صرف وحدانی مذاہب ہیں، جن میں عدم برداشت لازمی ہے؛ واحد خدا اپنی فطرت میں حاسد خدا ہے، جو کسی اور خدا کو زندہ رہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسری طرف کثرت پرست خدا فطری طور پر برداشت کے قائل ہیں: وہ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے اصول پر قائم ہیں؛ ان کے اپنے ہی ساتھی، جیسے ایک ہی مذہب کے کئی خدا، ان کی اطاعت گزاری کے بڑے مراکز ہیں۔ پھر یہ برداشت دوسرے باہر کے خداؤں تک پھیلا دی جاتی ہے، اس طرح وہ، ان کی مہمان نوازی وصول کرتے ہیں، اور بعد میں کئی معاملات میں حقوق کی برابری کو تسلیم کر لیتے ہیں؛ جس کی سب سے بڑی مثال اس حقیقت سے پتہ چلتی ہے کہ رومیوں نے خوشی سے فریجئیا، مصر اور دوسرے خداؤں کو قبول کر لیا۔ اس لیے یہ اکیلے واحدانی مذاہب ہی ہیں جو مذہبی جنگوں، مذہبی ظلم و ستم، بدعقیدگی کی عدالتیں،، بتوں کو توڑنے اور شبیہوں کی تباہی، ہندوستانی مندروں کو مسمار، اور مصری عظیم الجثہ مجسمے جو تین ہزار سال سے سورج کی طرف دیکھ رہا تھا، کی تباہی کا نظارہ پیش کرتے ہیں، کیونکہ ایک حاسد خدا نے کہا ہے کہ تم قبروں جیسی شکلیں نہیں بناؤ گے۔ لیکن سب سے اہم نکتے کی طرف مڑتے ہیں۔ آپ یقیناً اس اصرار کرنے پر درست ہیں کہ بنی نوع انسان کی مضبوط الہیاتی ضروریات ہیں؛ لیکن مذہب میرے نزدیک تسلی دکھانے کی اتنی بڑی وجہ نہیں ہے جیسے ان ضروریات کا غلط استعمال ہے۔ کسی بھی لحاظ سے ہم نے دیکھا ہے کہ اخلاقیات کو پھیلانے کے لیے، اس کا زیادہ تر استعمال دشوار، غیر فائدہ مند، اور خاص طور پر وحشیانہ ہے جو اس کی ترتیب میں ان کے پیچھے چلا ہے، جو دن کی روشنی میں واضح ہیں۔ بیشک یہ ایک قطعی دوسرا معاملہ ہے، اگر ہم مذہب کی افادیت کو تاجوں کا سہارا سمجھیں؛ جہاں پر ان کو "اللہ کی مدد سے" رکھا جاتا ہے۔ تاج اور قربان گاہ بڑے گہرے ساتھی

ہیں؛ اور ذہین شہزادے جو اپنے تاج اور خاندان سے محبت کرتے ہیں اپنے لوگوں کے سربراہ کے طور ایک اصلی مذہب کی مثال کے طور پر ظاہر ہونگے۔ حتی کہ میکیاولی نے اپنی کتاب کے اٹھارویں باب میں بہت سنجیدگی سے شہزادوں کے لیے مذہب کی سفارش کی ہے۔ اس کے علاوہ، یہ بھی کہا جا سکتا ہے، الہامی مذاہب اس فلسفے کے ساتھ بالکل ایسے ہی کھڑے ہیں کہ "بادشاہی خدا کی طرف سے ہے" اور "حاکمیت عوام کی ہے؛" کہ پہلی دونوں متوازی اصطلاحات ایک قدرتی اتحاد کے ساتھ بندھی ہیں۔

ڈیموفیلس۔ اوہ بھائی، اس طرح کا لہجہ اختیار نہ کریں! آپ بلوائی راج اور افراتفری کے پہلو پہ پہلو جار رہے ہیں، جو کسی بھی قانونی نظام، تمام تہذیبوں، تمام بنی نوع انسان کے جانی دشمن ہیں۔

فیلالیتھس۔ آپ درست فرما رہے ہیں۔ یہ میرا صرف فریب باطن تھا، جس کو ماہرِ جنگلہ بکربازی کہتا ہے۔ میں الفاظ واپس لیتا ہوں۔ لیکن دیکھیں کسی وقت اختلاف رائے ایک دیانت دار شخص کو بھی غیر منصف اور بد تہذیب بنا دیتا ہے۔ اب ہم ختم کر دیں۔

ڈیموفیلس۔ میں اس پر شرمندگی کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا، بہرحال جو بھی جوکھم میں نے اٹھایا ہے، میں مذہب کے بارے تمھارے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکا۔ دوسری طرف میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ جو کچھ بھی آپ نے کہا ہے وہ مذہب کے بارے میرے اعلیٰ یقین اور ضرورت کو ذرا بھی جھنجوڑ نہیں سکا۔

فیلاتھیس۔ مجھے آپ پر پورا یقین ہے؛ جیسے ہم ہُڈیبراس Hudibras میں پڑھ سکتے ہیں——

## ایک آدمی جسے اپنی خواہش کے خلاف یقین ہوتا ہے

اس کا پھر بھی وہی خیال رہتا ہے۔
مجھے یہ تسلی ہے کہ، اختلافات اور معدنی پانی لینے کے ما بعد اثرات ایک جیسے ہی بالکل سچے ہوتے ہیں۔

ڈیموفیلس۔ ٹھیک ہے، میں امید کرتا ہوں کہ تمہارے معاملے میں یہ فائدے مند ہو۔

فیلالیتھس۔ یہ ایسے ہو سکتا ہے کہ اگر میں ایک خاص ہسپانوی کہاوت کو سمجھ سکوں۔

ڈیموفیلس۔ وہ کیا ہے؟

فیلالیتھس۔ صلیب کے پیچھے شیطان کھڑا ہے۔

ڈیموفیلس۔ اسے چھوڑیں، ہمیں طنز کے ساتھ بچھڑنا نہیں چاہئیے۔ بلکہ ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہئیے، جانوس، یا اس سے بھی بہتر برہمنی موت کے دیوتا "یم" کی طرح مذہب کے بھی دو چہرے ہیں، اور اسی کی طرح ایک دوستانہ اور دوسرا افسردہ ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک نے صرف ایک پر نظریں جمائی ہوئی ہیں۔
فیلالیتھس۔ میرے پرانے دوست تم ٹھیک کہتے ہو۔

# اختتام